رابندرناتھ ٹیگور

قربانی

روشن بی اے

نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

قربانی

ایک سوشل شاہکار

مصنف
ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور

مترجمہ
روشن بی۔ اے۔

ناشر
نیشنل لٹریچر کمپنی لوہاری گیٹ لاہور

پنجاب آرٹ پریس لاہور میں باہتمام لالہ گلاب چند کپور چھپی۔
اور لالہ گوپال داس مالک نیشنل لٹریچر کمپنی لاہور نے شائع کی۔

بار اول	جولائی ۱۹۴۳ء	قیمت [illegible] روپیہ

250/-

قربانی

ٹیگور

(۱)

بھونیشوری دیوی کے مندر کا گھاٹ پتھر کا بنا ہوا ہے۔ وہ گومتی ندی کے اندر تک چلا گیا ہے۔ ایک دن صبح موسم گرما میں تریپورا کے مہاراج گوبند مانکیہ یہاں نہانے آئے۔ ان کے ساتھ انکے بھائی نکشتر رائے بھی تھے۔ اسی وقت ایک چھوٹی سی لڑکی اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لئے اس گھاٹ پر آئی۔ اسنے راجہ کا دوپٹہ پکڑ کر پوچھا:۔ "تم کون ہو؟"

راجہ نے مسکرا کر کہا:۔ "تمہارا سیوک ہوں"

لڑکی نے کہا:۔ "مجھے پوجا کے لئے پھول توڑ دو"

راجہ نے کہا:۔ اچھا چلو۔

راجہ کے نوکر چاکر حیران ہوکر بولے:۔ "مہاراج کیوں جائینگے۔ ہم ہی پھول توڑ دیتے ہیں۔ ہم اور کسلئے ہیں"

راجہ نے کہا:۔ "اسنے مجھ سے کہا ہے۔ اسلئے میں ہی توڑونگا"

راجہ نے اس لڑکی کے منہ کیطرف غور سے دیکھا۔ جسطرح صبح کی دابہ تھی اسی طرح اس لڑکی کا چہرہ پُر نور تھا۔

جسوقت وہ لڑکی راجہ کا ہاتھ پکڑے مندر کے باغ میں گھوم رہی تھی۔ اس وقت چاروںطرف کھلے ہوئے پھولوں کی مانند اسکے شگفتہ چہرہ سے گویا ایکطرح

کی خوشبو کھل کر جنگل میں پھیل رہی تھی۔ چھوٹا لڑکا بھی اپنی بہن کا کپڑا ہاتھ سے پکڑے اسکے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔ وہ صرف اپنی بہن کو ہی جانتا تھا۔ راجہ کیساتھ اسکا کوئی خاص تعارف نہیں ہوا۔

راجہ نے لڑکی سے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

لڑکی نے کہا: "ہاسی"

راجہ نے اس چھوٹے لڑکے سے بھی نام پوچھا۔ لڑکا اپنی بڑی بڑی آنکھیں مل کر بہن کے منہ کیطرف دیکھنے لگا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

ہاسی نے اسکے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا: "کہہ نہ دو بھائی۔ میرا نام تاتا ہے"

لڑکا اپنے چھوٹے چھوٹے ہونٹوں کو کھولکر آہستہ سے بولا: "میلا نام تاتا ہے" اب اسنے بہن کے کپڑے کو اور بھی زور سے پکڑ لیا۔

ہاسی نے راجہ کو سمجھا کر کہا: "یہ ابھی بچہ ہے نا اسی لئے سب لوگ اسے تاتا کہتے ہیں۔ پھر چھوٹے بھائی کیطرف دیکھ کر بولی: "اچھا مندر تو کہو" لڑکا بہن کیطرف دیکھ کر بولا: "لاند"

ہاسی نے ہنس کر کہا: "تاتا ابھی صاف طور پر مندر نہیں کہہ سکتا۔ اسی لئے لاند کہتا ہے اچھا کلائی تو کہو"

لڑکا ٹھہر کر بولا: "بلائی"

ہاسی پھر ہنسکر کہنے لگی: "تاتا ہم لوگوں کی کیطرح کلائی نہیں کہہ سکتا۔ بلائی کہتا ہے۔" اب ہاسی نے تاتا کو بار بار چومکر اسے بے چین کر دیا۔

تاتا کو بہن کی اتنی ہنسی اور اتنے پیار کا کوئی بھی سبب ڈھونڈنے پہ بھی نہ ملا۔ وہ صرف اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو مل کر دیکھتا رہا۔ دراصل مندر اور کلائی لفظ کے بولنے میں تاتا نے بالکل غلطی کی اسے کوئی نامنظور نہیں کر سکتا۔ تاتا کی سی عمر میں ہاسی

"مندر" کو "لاند" نہیں کہتی تھی۔ وہ مندر کو "پالو" کہتی تھی۔ مکڑی کو وہ "بلائی" کہتی تھی یا نہیں یہ معلوم نہیں لیکن کوڑی کو "گھٹی" کہتی تھی۔ جو ہو۔ تاتا کا ایسا عجیب تلفظ سنکر اسکو زیادہ ہنسی آ گئی اسمیں اب حیرانی ہی کیا ہے؟ تاتا کے متعلق بہت سے واقعات وہ راجہ سے کہنے لگی۔ کسی وقت ایک بوڑھا آدمی کمبل اوڑھے آیا تھا۔ تاتا نے اسے "بھالو" کہا تھا۔ تاتا کی ایسی ناواقفیت اور ایک دفعہ تاتا نے شریفے کے پھلوں کو چڑیا سمجھ کر اپنے موٹے موٹے اور چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے تالی بجا کر انہیں اڑا دینے کی کوشش کی تھی۔ ہاسی کے مقابلے میں تاتا بالکل معصوم لڑکا ہے۔ اس بات کو تاتا کی بہن نے مفصل طور پر مثالیں دیکر ثابت کر دیا تاتا اپنے متعلقہ سب باتیں سن رہا تھا۔ جہانتک وہ سمجھ سکا اسمیں دلی جلن کی کوئی وجہ اسے نہیں ملی۔ اسی طرح اس دن صبح پھول توڑنے کی رسم ختم ہوئی۔ راجہ نے جب اس چھوٹی لڑکی کے آنچل کو پھولوں سے بھر دیا تب انہوں نے جانا کہ گویا ان کی پوجا ختم ہو گئی۔ انہیں دونو معصوم روحوں کی محبت کا نظارہ دیکھ کر اس نیک انسان کی امید پوری کرکے اور پھولوں کو جمع کرکے گویا انکی دیوتاؤں کی پرستش کا کام پورا ہو گیا۔

---

(۲)

ایک دن کی مختصر سی ملاقات سے ہی ان دونو بھائی بہنوں سے راجہ کو اتنی گہری محبت ہو گئی کہ وہ صبح ہی جب ان دونو کا منہ دیکھ لیتے تھے۔ ان سے مل لیتے تھے تب پلنگ سے اٹھتے تھے۔ روزانہ کا یہ معمول تھا کہ جبتک انکو پھول توڑ کر نہیں دیتے تھے تب تک وہ غسل نہیں کرتے تھے۔ وہ دونو بھی راجہ کیساتھ ایسے ہل مل گئے تھے کہ جب تک راجہ نہایا کرتے تھے تب تک وہ گھاٹ پر ہی بیٹھے بیٹھے انکے نہانے کا تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ اور

جسدن بدقسمتی سے راجہ کو ان دونو کے درشن نہیں ہوتے تھے اس دن ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ راجہ کا روزانہ کا پروگرام ادھورا رہ گیا۔

ہاسی اور تاتا دونو بغیر ماں باپ کے تھے۔ انکے صرف ایک چچا تھا۔ چچا کا نام تھا۔ "کیدار کیشو" اسکے بھی اور کوئی بال بچہ نہ تھا۔ صرف یہی دو نو بچے اسکی زندگی کا سہارا اور سکھ کا سامان تھے۔

ایک سال اور گذر گیا۔ تاتا اب مندر لفظ کو ٹھیک بولنے لگا۔ لیکن کلائی کو ابتک "بلائی" ہی کہتا ہے۔ وجہ صرف یہی تھی کہ ابھی وہ اچھی طرح بولنا نہیں جانتا۔ گومتی ندی کے کنارے جب اسکی بہن ایک درخت کے نیچے پاؤں پھیلا کر بیٹھتی اور کوئی کہانی سنانے لگتی۔ تب تاتا اسے بڑے غور سے سنتا تھا۔ ان بے سر پیر کی کہانیوں کو سنکر نہ جانے وہ کیا سمجھتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے کھلی ہوا میں بیٹھے ہوئے ننھے سے بچے کے نرم دل میں کہانی سنکر کیسے کیسے خیالات پیدا ہوتے تھے انہیں ہم لوگ نہیں جان سکتے۔ تاتا میں ایک اور بڑی عجیب بات تھی۔ وہ یہ کہ وہ کسی اور لڑکے کیساتھ نہیں کھیلتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی بہن کیساتھ ہی سایہ کیطرح پھرا کرتا تھا۔

ہاڑ کا مہینہ ہے۔ صبح سے ہی آسمان بادلوں سے گھرا ہوا ہے۔ بارش ابھی نہیں برستی ہے۔ مگر برسنے کے آثار ضرور دکھائی دے رہے ہیں۔ دور کہیں ضرور بارش ہوئی ہے نہیں تو ہوا میں ایسی ٹھنڈک کہاں سے آتی۔ گومتی ندی کے پانی میں اور دو طرفہ جنگل میں کالے آسمان کا سایہ پڑ رہا ہے۔ کل اماوش تھی۔ اسی لئے بھونیشوری کی پوجا کل ہو چکی۔

ہاسی اور تاتا کے ہاتھ پکڑے ہوئے راجہ مقررہ وقت پر نہانے آئے۔ لہو کی دھار بہنے کی ایک لکیر صاف پتھر کے بندھے ہوئے گھاٹ کی سیڑھیوں پر ہوتی ہوئی گومتی ندی کے جل میں جا کر روپوش ہو گئی ہے۔ کل رات جو ایک سو ایک بھینسوں کی قربانی ہوئی تھی انہیں کا یہ لہو تھا۔ ہاسی نے اس لہو کے داغ کو دیکھ کر حیرانی

کیساتھ راجہ سے پوچھا:۔"یہ کیا داغ ہے؟"

راجہ نے کہا:۔"یہ لہو کا داغ ہے"

اسنے کہا:۔"اتنا لہو"! ــــــ اسطرح بیقرار سی ہوکر لڑکی نے پوچھا:۔"اتنا لہو کیوں؟"

راجہ کے دلمیں بھی یہی سوال اٹھنے لگا کہ درا صل "اتنا لہو کیوں" وہ یکایک کانپ اٹھے۔ بہت عرصہ سے وہ ہر سال لہو کی دھار بہتے دیکھتے آتے ہیں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن آج ایک چھوٹی سی لڑکی کے منہ سے یہ سوال سنکر انکے دلمیں بھی شک پیدا ہونے لگا:"اتنا لہو کیوں؟" وہ جواب دینا بھول گئے اور بیدلی سے نہاتے نہاتے اسی سوال کو سوچنے لگے۔ انہوں نے دل ہی دلمیں کہا:۔"گومتی تو ہر سال کئی سو بیقصور معصوم جانوروں کا لہو اپنے اندر داخل کرتی آئی ہے پھر تیرا پانی ایسا صاف کیوں ہے؟"

ہاسی سیڑھی پر بیٹھی بیٹھی اپنے آنچل کو پانی سے بھگو کر آہستہ آہستہ لہو کا داغ مٹانے لگی اسکی دیکھا دیکھی تاتا بھی اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ویسا ہی کرنے لگا ہاسی کا کپڑا لہو سے بالکل لال ہوگیا۔ جتنی دیر میں راجہ نے غسل کیا۔ اتنی دیر میں انہوں نے لہو کے داغ کو دھو کر صاف کر دیا۔ وہاں سے لوٹ کر گھر پہنچتے ہی ہاسی کو بخار ہوگیا۔ پاس بیٹھ کر تاتا اپنی وہ چھوٹی انگلیوں سے بہن کی جھپکی ہوئی آنکھوں کی پلکیں کھولنے کی کوشش کرکے درمیان میں "بہن بہن" پکارنے لگتا ہے۔ اسطرح پکارے جانے پر وہ چونک کر جاگ سی اٹھتی ہے اور "تاتا کیا ہے" کہکر اسکو اپنے پاس کھینچتی ہے۔ اسکی آنکھیں پھر جھپک جاتی ہیں۔ تاتا بڑی دیر تک چپ چاپ بہن کے منہ کیطرف دیکھتا رہا۔ کچھ بولا نہیں۔ آخر بہت دیر کے بعد آہستہ آہستہ بہن کے گلے سے لپٹ کر اسکے منہ کے پاس اپنا منہ لیجاکر آہستہ سے بولا:۔"بہن! تو اٹھیگی نہیں؟"

ہاسی چونک کر جاگ اٹھی۔ اسنے تاتا کو چھاتی سے لگا کر کہا:۔"للا۔ کیوں نہ اٹھونگی"

لیکن اب اسمیں اٹھنے کی طاقت کہاں۔ تاتا کے چھوٹے سے دل پہ گویا اندھیرا چھا گیا۔ اسکا دن بھر کا کھیلنا کودنا اور خوشی کی امید بالکل ہی مٹی میں ملگئی آسمان پہ گہری تاریکی

چھا گئی۔ گھر کے چھپر پہ کچھ کچھ پانی پڑنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ دیکھو سامنے املی کا درخت بھیگ گیا۔ راستے میں کوئی راہگیر دکھائی نہیں دیتا۔ کیدار کیشو ایک وید کو اپنے ساتھ لائے ہیں۔ وید نے نبض دیکھی تو انکو آثار اچھے دکھائی نہیں دیئے۔

اسکے دوسرے دن نہانے کیلئے راجہ آئے تو دیکھا آج انکے انتظار میں وہ دونو بھائی بہن مندر میں نہیں ہیں۔ دلمیں سوچا کہ ان گھرے بادلوں کیوجہ سے وہ دونو نہیں آسکے۔ غسل و پوجا وغیرہ ختم کر کے راجہ پالکی پر سوار ہوئے۔ انہوں نے کہاروں کو کیدار کیشو کے گھر کیطرف چلنے کا حکم دیا۔ نوکروں کو یہ سنکر بڑی حیرت ہوئی۔ لیکن راجہ کے حکم کے سامنے کوئی کچھ نہ بول سکا۔ راجہ کی سواری جب کیدار کیشو کے صحن میں پہنچی تب اسکے گھر میں بڑی ہی دھوم مچی۔

اس ہلچل میں بیمار کی بیماری کی کسی کو خبر ہی نہ رہی۔ صرف تاتا وہاں سے نہیں ہٹا وہ اپنی بیہوش بہن کی گود کے پاس ہی۔ اسکے کپڑے کا ایک سرا منہ میں دبائے چپ چاپ بیٹھا رہا۔ راجہ کو گھر میں آتے دیکھ کر تاتا نے پوچھا: "کیا ہوا ہے؟" دل بے چین ہونیکی وجہ سے راجہ نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔

تاتا نے پھر گردن جھلا جھلا کر پوچھا: "کیا بہن کے چوٹ لگ گئی ہے؟"

اسکے چچا کیدار کیشو نے کچھ غصہ ہو کر کہا: "ہاں چوٹ لگی ہے" .... تاتا نے اب بہن کی گود کے پاس جاکر اسکے منہ کو اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے گلے سے لپٹا کر پوچھا۔ "بہن تمہیں کس جگہ چوٹ لگی ہے؟"

اس سوال کا مطلب اسکے دلمیں یہی تھا کہ جس جگہ چوٹ لگی ہے اسجگہ منہ سے پھونک کر اور ہاتھ پھیر کر بہن کی تمام تکلیف کو دور کر دیں۔ لیکن بہن نے جب کچھ جواب نہ دیا تو اس سے زیادہ برداشت نہ ہو سکا۔ اسکے دونو چھوٹے چھوٹے ہونٹ دم بدم پھولنے لگے۔ جب اس سے نہ رہا گیا تب وہ رو کر بولا: "کل چھے میں بیٹھا ہوں۔ کچھ بولتی کیوں نہیں ..... میں نے کیا بگاڑا ہے جو میلے اوپل اتنی خفا ہوتی ہو" .... راجہ کے سامنے تاتا کا یہ سلوک دیکھ

کیدار کیشو بہت ہی بیچین ہوئے اور غصہ کیساتھ اسکا ہاتھ پکڑ کر اسے دوسرے کمرے میں اٹھا لیگئے۔ تب بھی ہاسی کچھ نہ بولی۔

راج دید بیماری کے بگڑ جانے کی بات پہلے ہی آکر کہہ گئے تھے۔ راجہ خود اس لڑکی کے سرہانے بیٹھ گئے۔ شام ہونے پر لڑکی بکنے لگی "ہائے۔ ہائے اتنا لہو کیوں!"......

"راجہ نے کہا میں اس لہو بہنے کو بند کر دونگا" ...... لڑکی پھر بولی:۔ "آؤ بھائی تاتا۔ ہم تم دونو ملکر اس لہو کو مٹا ڈالیں"۔ شام ہونے کے کچھ ہی دیر بعد ہاسی نے ایک دفعہ آنکھیں کھولی تھیں۔ آنکھیں کھولکر اس نے ایک دفعہ چاروں طرف اسطرح دیکھا گویا وہ کسی کو ڈھونڈ رہی ہے اسوقت تاتا دوسرے کمرے میں روتے روتے سو گیا تھا۔ جب ہاسی کو کوئی دکھائی نہ دیا تب اسنے آنکھیں بند کر لیں۔

بس اسوقت جو آنکھیں بند ہوئیں تو پھر کبھی نہیں کھلیں۔ اسی دن آدھی رات کیوقت راجہ کی گود میں پڑی ہوئی ہاسی ٹھنڈی ہوگئی۔ جسوقت لوگ ہمیشہ کے لئے ہاسی کو گھر سے باہر لیگئے تھے اسوقت تاتا نیند میں پڑا تھا۔ اگر تاتا اسوقت جاگتا ہوتا تو وہ اپنی بہن کے پیچھے سایہ کیطرح ضرور چلا جاتا۔

---

(۳)

راجہ صاحب سبھا میں بیٹھے ہیں۔ بھونیشوری دیوی کے مندر کا پروہت (پجاری) کسی کام کیوجہ سے انکے پاس آیا ہے۔ پروہت کا نام رگھوپتی ہے۔ اس ملک میں پروہت کو لوگ "چونتائی" کہتے ہیں۔ بھونیشوری دیوی کی پوجا ہونیکے چودہ دن بعد خاموش رات میں چودہ دیوتاؤں کی ایک اور پوجا ہوتی ہے۔ اس پوجا کیوقت رات میں

کوئی گھر کے باہر نہیں نکل سکتا۔ راجہ بھی نہیں نکل سکتے۔ اگر راجہ گھر کے باہر جائیں تو پروہت کو جرمانہ دینا پڑے۔ کہادت ہے کہ اس پوجا کی رات میں آدمیوں کی قربانی ہوتی ہے۔ اس پوجا کے سلسلہ میں سب سے پہلے جن جانوروں کی قربانی ہوتی ہے وہ راجہ سے راج بھون سے متعلق خیرات کی شکل میں لئے جاتے ہیں۔ پروہت قربانی کے لئے راجہ کے پاس جانور لینے آیا ہے۔ پوجا کے اب بارہ دن رہ گئے ہیں۔

راجہ نے کہا: " اس سال سے مندر میں جانوروں کی قربانی نہ ہوگی۔ یہ سنکر سب لوگ حیران رہ گئے۔ پروہت رگھوپتی نے کہا: " کیا میں یہ خواب دیکھتا ہوں "

راجہ :۔ نہیں مہاشہ! ۔ ابتک ہم لوگ خواب دیکھتے تھے۔ اب ہماری آنکھیں کھلی ہیں۔ ایک لڑکی کی شکل میں نمودار ہوکر بھگوتی (دیوی) نے مجھ کو درشن دیئے ہیں۔ وہ کہہ گئی ہے کہ میں رحمدل ہوں میں اب ذی روحوں کا خون نہیں دیکھ سکتی۔

رگھوپتی :۔ تب اتنے دنوں سے دیوی کیوں ذی روحوں کا خون پیتی تھی "

راجہ :۔ " نہیں وہ پیتی نہیں تھی۔ تم لوگ جب ذی روحوں کو مار کر خون بہاتے ہو تب وہ منہ پھیر لیتی ہے "

رگھوپتی :۔ مہاراج۔ آپ رموزِ سلطنت سے بخوبی واقف ہیں۔ اسمیں شک نہیں۔ لیکن پوجا کی بات آپ کچھ بھی نہیں جانتے۔ اس معاملہ میں اگر بھگوتی کو کچھ ناراضگی ہوتی تو میں ہی پہلے اس بات کو جانتا۔

نکشتر رائے بڑے عالم کیطرح سر ہلا کر بولے :۔ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے دیوی کی اگر ناراضگی ہوتی تو پہلے پروہت کو ہی یہ بات معلوم ہوتی۔

راجہ :۔ " جسکا دل سخت ہو گیا ہے وہ دیوی کی بات نہیں سن سکتا "

نکشتر رائے نے پروہت کے منہ کیطرف دیکھا۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ اس بات کا جواب کچھ ضرور دینا چاہئے "

رگھوپتی غصہ سے آگ بگولا ہو کر بولا: "آپ تو ایک بدچلن دہریہ کیطرح باتیں کر رہے ہیں"
غصہ سے جلتے ہوئے پروہت کے منہ کیطرف دیکھ کر گو بند مانکیہ بولے: "مہاشہ۔ راج سبھا میں بیٹھ کر آپ اپنے وقت کو فضول ضائع کر رہے ہیں۔ آپ مندر میں جا کر اپنا کام کیجئے جاتے وقت راستے میں اس بات کا پرچار کر دیجئیگا کہ میری سلطنت میں جو کوئی دیوتا کے سامنے ذی روحوں کی قربانی دیگا اسکو ملک سے باہر نکالے جانے کی سزا ملیگی"

تب رگھوپتی کانپتے کانپتے اٹھ کھڑا ہوا اور یگیوپویت کو چھو کر بولا: "جاؤ اب تمہارا ستیاناش ہو"

پروہت کو بد دعا دیتے سنکر چاروں طرف سے "ہا..... ہا..... کرتے ہوئے سبھاسد اُس پر ٹوٹ پڑے۔ راجہ نے اشارے سے سب کو منع کیا۔ سب لوگ الگ جا کھڑے ہوئے"

رگھوپتی کہنے لگا: "تم راجہ ہو۔ تم چاہو تو رعایا کا سب کچھ لوٹ سکتے ہو۔ اسی طرح کیا بھگوتی کی قربانی بھی ختم کر دو گے۔ تمہاری طاقت کیا ہے؟ —— دیوی کے عقیدت مند رگھوپتی کے جیتے جی کس طرح تم پوجا میں خلل ڈال سکتے ہو میں بھی تو دیکھونگا"

منتری (دیوان) راجہ کی عادت سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے۔ کہ کسی بات کا عہد کر لینے پر راجہ اسکو ضرور پورا کرتے ہیں۔ انہوں نے آہستہ آہستہ دربار میں کہا۔ مہاراج آپکے مرحوم آباد اجداد دیوی کے آگے مقررہ اصول کے مطابق قربانی دیتے آئے ہیں۔ اسمیں ایک دفعہ بھی خلل نہیں پڑا: اتنا کہکر وہ چپ ہو گئے۔

راجہ کچھ نہیں بولے۔ منتری نے کہا۔ آج اتنے دنوں کے بعد آپکے آبا و اجداد کے ذریعہ قائم شدہ اس پرانی پوجا کی رسم میں خلل پڑنے سے بہشت میں وہ ناخوش ہونگے"

مہاراج سوچنے لگے۔ نکشتر رائے اپنی علمیت جتاتے ہوئے بولے: "ہاں

بہشت میں وہ ناخوش ہونگے''۔

منتری نے پھر کہا:۔''مہاراج ایک کام کریں۔ جہاں ہزار قربانیاں ہوتی ہیں وہاں اب ایک ہی سو قربانی کی اجازت دی جائے''۔

تمام سبھاسد بُت کیطرح خاموش ہو گئے۔ گوبند مانکیہ بھی بیٹھ کر اس بات پر غور کرنے لگے۔ ناراض رگھوپتی مایوس ہو کر دربار سے جانے لگا۔

اسی وقت دربانوں کے ہاتھ سے کسی طرح بچکر ننگ دھڑنگ ایک چھوٹا سا لڑکا دربار میں آیا۔ اسکے بدن پر نہ کوئی کپڑا تھا۔ نہ پاؤں میں جوتا۔ راج دربار کے درمیان میں کھڑا ہو کر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے راجہ کے منہ کیطرف دیکھ کر وہ لڑکا کہنے لگا:۔

''بہن کہاں ہے؟''

اس بڑے دربار کے تمام ہی لوگ گویا سناٹے میں آ گئے۔ ایک چھوٹے لڑکے کے گلے کی آواز اس وسیع سبھا بھون میں گونج اٹھی ......''بہن کہاں ہے؟''

راجہ نے فوراً تخت سے نیچے اتر کر لڑکے کو گود میں اٹھا لیا۔ پھر انہوں نے اونچی آواز میں منتری سے کہا:۔''آج سے میری سلطنت میں قربانی نہیں ہوگی اس سلسلہ میں اب کچھ مت بولو''

منتری نے کہا:۔''جو مہاراج کا حکم''۔

تاتا نے راجہ سے پھر پوچھا:۔میری بہن کہاں ہے۔

راجہ نے کہا:۔دیوی کے پاس۔

تاتا بڑی دیر تک منہ میں انگلی ڈالے چپ چاپ کھڑا رہا۔ اسوقت اسکو ایسا معلوم ہوا گویا اسے اپنی بہن کا سچا پتہ ملگیا۔ اسدن سے راجہ نے تاتا کو اپنے ہی پاس رکھ لیا اور اسکے بوڑھے چچا کیدار کیشو کو بھی وہیں محل میں رہنے کو جگہ دے دی۔

سبھاسد لوگ آپس میں یوں بحث مباحثہ کرنے لگے۔ بھائی یہ تو نگ (ایک قوم کا نام) کا ملک ہوگیا۔ ہم لوگ تو جانتے ہیں کہ بدھ اور مگ جاتی کے ہی لوگ خون نہیں کرتے۔ کیا اب ہماری ہندو جاتی کے دیش میں بھی وہ رواج جاری ہوگا۔

نکشتر رائے بھی انہیں لوگوں کی رائے میں رائے ملا کر بولے "ہاں۔ ہندوؤں کے ملک میں بھی کیا یہی رواج جاری ہوگا"

سب لوگوں نے فیصلہ کیا کہ تنزل کے آثار اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتے ہیں۔ مگ جاتی اور ہندوؤں میں اب کیا فرق رہ گیا ہے۔

---

(۴)

بھونیشوری مندر کے پوجاری کا نام جے سنگھ ہے۔ وہ راج ونشی کھشتری ہیں انکے والد سوچیت سنگھ تریپورا راجہ بھائی میں ایک پرانے نوکر تھے۔ سوچیت سنگھ کی موت کے وقت جے سنگھ بالکل بچے تھے۔ اس معصوم لڑکے کو راجہ نے مندر کے کام میں بھرتی کیا تھا۔ مندر کے پوجاری رگھوپتی نے ہی جے سنگھ کی پرورش کرکے اسے تعلیم دی ہے۔ لڑکپن سے ہی مندر میں محفوظ ہونیکی وجہ سے جے سنگھ مندر کو ہی اپنا گھر سمجھتے ہیں۔ مندر کی کوئی جگہ ایسی نہ تھی جسے وہ نہ جانتے ہوں یعنی مندر کے سبھی خفیہ اور ظاہرا مقامات سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔ اسکی ماں زندہ نہ تھی۔ بھونیشوری کی مورتی کو ہی وہ ماں سمجھتے تھے۔ مورتی کے سامنے بیٹھکر وہ باتیں کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی اپنے کو اکیلا نہیں سمجھا۔ انکے اور بھی کتنے ہی ساتھی تھے۔ مندر کے پاس والے باغیچے کے کتنے ہی درختوں کو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اگاکر بڑا کیا ہے۔ چاروںطرف ان کے لگائے

ہوئے درخت بڑھ رہے ہیں۔ ان پر بیلیں چڑھ رہی ہیں۔ چھاؤں پھیلتی جاتی ہے۔ ان ہری ہری بیلوں سے سارا جنگل ہرا بھرا ہو رہا ہے۔ لیکن یہ سب جے سنگھ کے دل کی باتیں ہیں۔ انکے اس قدرت کیساتھ محبت کے جذبہ کو خاص طور پر کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنی خاص طاقت اور ہمت سے ہی لوگوں میں مشہور ہوئے تھے۔

مندر کے کام کاج سے فارغ ہو کر جے سنگھ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہیں۔ سامنے باغ ہے۔ دن ڈھل چکا ہے۔ خوب زور سے بادل گھر آئے ہیں۔ بارش ہو رہی ہے۔ نئی بارش کے پانی سے جے سنگھ کے درخت اور پودے وغیرہ نہا رہے ہیں۔ ہر ایک پتے پر بارش کی بوندوں کے ناچنے کا جلسہ ہو رہا ہے۔ بارش کے پانی کی چھوٹی چھوٹی بوندیں ناچ رہی ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سینکڑوں دھاریں ملکر آواز پیدا کرتی ہوئی گومتی ندی میں جاکر گر رہی ہیں۔ جے سنگھ بڑی خوشی کیساتھ بیٹھے ہوئے باغ کا نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ چاروں طرف کالے کالے بادلوں کا سایہ۔ پتوں کی ہریالی۔ مینڈکوں کی آوازیں اور لگاتار پانی برسنے کا جھر جھر شبد۔ بس جنگل میں اس طرح نئی بارش کا جلسہ دیکھ انکا دل مسرت سے اُمڈا پڑتا ہے۔

اسی وقت بارش میں بھیگتا ہوا رگھوپتی آپہنچا۔ جے سنگھ نے پھُرتی سے اُٹھ کر پاؤں دھونے کیلئے پانی اور پہننے کیلئے سوکھا کپڑا لا دیا۔ مگر رگھوپتی بگڑ کر بولا "تم کو کپڑا لانے کیلئے کس نے کہا؟"

اسنے کپڑے کو اندر پھینک دیا۔ جے سنگھ پاؤں دھونے کیلئے پانی لیکر آگے آکھڑے ہوئے۔ رگھوپتی نے غصہ میں کہا: "ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ تم اس پانی کو رکھدو" اسنے پاؤں سے پانی کے برتن کو لڑھکا دیا۔ جے سنگھ یکایک اس بات کا سبب کچھ نہ سمجھ کر دنگ رہ گئے۔ وہ کپڑے کو زمین سے اٹھا کر مناسب جگہ پر رکھنے لگے۔ رگھوپتی پھر غصہ ہو کر بولا: "ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ تم اس کپڑے کو مت چھوؤ"

اب وہ خود دھوتی اٹھا لایا۔ اپنے ہاتھ سے پانی لاکر اسنے پاؤں دھوئے۔ تب جے سنگھ نے آہستہ آہستہ کہا: "پربھو۔ میں نے کیا کچھ قصور کیا ہے"۔

رگھوپتی کچھ ٹیڑھا ہو کر بولا: "کون کہتا ہے۔ تمنے قصور کیا ہے"۔

جے سنگھ غمگین حالت میں بیٹھے رہے۔ رگھوپتی بےچینی کی حالت میں مکان کے اندر ادہرادہر گھومنے لگا۔ اسی طرح رات زیادہ گذر گئی۔ پھر بارش ہونے لگی آخر رگھوپتی نے جے سنگھ کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر عاجزی سے کہا: "رات بہت ہوگئی۔ جاؤ اب سو رہو"۔

جے سنگھ نے رگھوپتی کے میٹھے الفاظ سے خوش ہو کر کہا: "پہلے آپ سوئیں۔ پھر میں بھی چلا جاؤنگا"۔

رگھوپتی نے کہا: "مجھکو ابھی دیر ہے۔ دیکھو آج میں نے تمہارے ساتھ بہت ہی سختی کی ہے۔ اسکا کچھ خیال نہ کرنا۔ میری طبیعت اسوقت ٹھیک نہیں تھی۔ میں کل تم سے مفصل حالات کہونگا۔ ابھی تم سو رہو"۔

"جیسا حکم" کہکر جے سنگھ سونے چلے گئے۔

رگھوپتی ساری رات ٹہلتا رہا۔ سویرے جے سنگھ گورو (رگھوپتی) کو پرنام کر کے سامنے کھڑے ہوئے۔

رگھوپتی نے کہا: "جے سنگھ! ۔ دیوی کی قربانی بند ہوگئی"۔

جے سنگھ نے تعجب سے پوچھا: "پربھو! یہ کیا بات ہے"۔

رگھوپتی: "راجہ کا ایسا ہی حکم ہؤا ہے"۔

جے سنگھ: "کس راجہ کا"۔

رگھوپتی نے روکھے پن سے کہا: "گوبند مانکیہ نے حکم دیا ہے کہ دیو مندر میں ذی روحوں کی قربانی نہیں ہوگی"۔

جے سنگھ: "اور آدمیوں کی قربانی"؟

رگھوپتی :۔ "کیوں تنگ کرتے ہو۔ میں ذی روحوں کی قربانی کہہ رہا ہوں۔ تب پھر آدمیوں کی قربانی کی بات کیا پوچھتے ہو؟"

جے سنگھ :۔ "کسی بھی ذی روح کی قربانی نہیں ہوگی"

رگھوپتی :۔ "نہیں"

جے سنگھ :۔ "تو مہاراجہ گوبند مانکیہ نے ایسا ہی حکم دیا ہے"

رگھوپتی :۔ "ہاں!۔ ہاں!۔ ایک ہی بات کتنی بار پوچھو گے"

جے سنگھ بڑی دیر تک کچھ نہ بولے۔ وہ صرف اپنے دلمیں کہنے لگے "مہاراج گوبند مانکیہ۔ تم دھینہ ہو"

گوبند مانکیہ کو جے سنگھ بچپن سے ہی دیوتا کیطرح پوجتے تھے۔ آسمان میں قائم چاند سے جیسے بچوں کو قدرتی محبت ہوتی ہے۔ ویسے ہی گوبند مانکیہ کیلئے جے سنگھ کے جذبات تھے۔ گوبند مانکیہ کا پرسکون خوبصورت چہرہ دیکھ کر جے سنگھ اسپر اپنی زندگی تک قربان کر سکتے تھے۔

رگھوپتی نے کہا :۔ "اسکا کوئی علاج تو ضرور کرنا ہوگا"

جے سنگھ :۔ "ٹھیک ہے۔ میں مہاراج کے پاس جاؤں اور ان سے عاجزی کیساتھ کہوں کہ ——"

رگھوپتی :۔ "بیفائدہ ہوگا"

جے سنگھ :۔ "تب کیا کرنا ہوگا؟"

رگھوپتی کچھ دیر تک سوچکر بولا :۔ "کل بتاؤنگا۔ کل تم صبح نکشتر رائے کے پاس جاکر انہیں خفیہ طور پر مجھ سے ملنے کو کہنا۔"

(۵)

صبح نکشتر رائے نے آکر رگھوپتی کو پرنام کر کے پوچھا:۔ "کیا حکم ہے"۔

رگھوپتی:۔ "تمہارے لئے بھگوتی کا حکم ہے۔ پہلے بھگوتی کو پرنام کرنے چلو"۔

دونو مندر میں گئے۔ جے سنگھ بھی انکے ساتھ ساتھ گئے۔ نکشتر رائے نے بھونیشوری کی مورتی کے سامنے پرنام کیا۔ رگھوپتی نے نکشتر رائے سے کہا:۔ "کمار تم راجہ بنوگے"۔

"کیا کہا مہاراج۔ میں راجہ بنونگا۔ آپ جو کہتے ہیں اسکا کچھ فیصلہ نہیں" یہ کہکر نکشتر رائے خوب زور سے ہنسنے لگے۔

رگھوپتی:۔ "میں کہتا ہوں۔ تم ضرور راجہ بنوگے"۔

آپ کہہ رہے ہیں۔ "میں ضرور راجہ بنونگا" یہ کہکر نکشتر رائے رگھوپتی کے منہ کیطرف دیکھنے لگے۔

رگھوپتی:۔ "تم کیا میں تم سے جھوٹ کہہ رہا ہوں"۔

نکشتر رائے:۔ "آپ جھوٹ تو نہیں کہتے۔ مگر یہ بات ہوگی کسطرح؟" دیکھئے مہاشہ۔ کل میں نے مینڈک کا خواب دیکھا ہے۔ اچھا!۔ خواب میں مینڈک دیکھنے سے کیا ہوتا ہے"۔

رگھوپتی نے ہنسی روک کر کہا:۔ کیا مینڈک دیکھا؟ اسکے سر پہ نشان تھا یا نہیں"۔

نکشتر رائے زور دیکر بولے:۔ "ہاں! اسکے سر پہ نشان تو تھا"۔

رگھوپتی:۔ "ہاں! تب تو راج کا ٹیکا تمکو ضرور ملیگا"۔

نکشتر رائے:۔ "تو راج کا ٹیکا مجھ کو ملیگا۔ آپ کہہ رہے ہیں نہ مجھکو راجیہ ملیگا۔ اور اگر نہ ملے تو۔

رگھوپتی :۔" کیا میری بات جھوٹی ہو جائیگی "
نکشتر رائے :۔ نہیں نہیں۔ میں یہ بات نہیں کہتا۔ مجھے راج تلک حاصل ہوگا۔ یہ تو آپ کہہ رہے ہیں۔ لیکن مان لیجئے اگر نہ ہو۔ کیا قدرتاً" ایسا نہیں ہو سکتا کہ ——
رگھوپتی بات کاٹکر بولا :۔" نہیں نہیں یہ بات جھوٹ نہیں ہو سکتی "
نکشتر رائے :۔ جب آپ ایسا کہتے ہیں تب یہ بلاشبہ جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ اچھا راجہ ہو جانے پر میں آپکو اپنا وزیر بناؤنگا۔
رگھوپتی :۔" میں وزیر ہونا نہیں چاہتا "
نکشتر رائے بڑی فراخ دلی کیساتھ بولے :۔" اچھا تب راج سنگھ کو ہی وزیر بناؤنگا"
رگھوپتی :۔ یہ بات دیکھی جائیگی۔ راجہ ہونے سے پہلے کیا کرنا ہوگا۔ یہ تو پہلے سن لو دیوی راجہ کا خون دیکھنا چاہتی ہے۔ خواب میں انہوں نے یہی حکمدیا ہے "
نکشتر رائے :۔" دیوی راجہ کا خون دیکھنا چاہتی ہے۔ خواب میں آپکو یہی حکم ہُوا ہے۔ یہ تو اچھی بات ہے "
رگھوپتی :۔" آپکو گوبند مانکیہ کا خون لانا ہوگا "
نکشتر رائے کسی طرح " ہاں" کہکے رہ گئے۔ پہلے تو انہوں نے کہدیا " اچھی بات ہے " مگر اب وہ بات دلمیں اتنی اچھی نہ لگی ،
رگھوپتی نے کچھ غصہ ہو کر کہا :۔" کیا تمہارے دلمیں یکایک برادرانہ محبت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے "
نکشتر رائے نے اوپر کے دل سے ہنسکر کہا :۔ آہا۔ ہا .... برادرانہ محبت !۔ آپ نے تو خوب کہا۔ واہ رے برادرانہ محبت! ایسی ہنسی کی بات اور کیا ہو گی۔ برادرانہ محبت۔ کیا ہی شرم کی بات آپ نے کہی " لیکن انتریامی پرماتما جانتے ہیں۔ کہ نکشتر رائے کے دلمیں برادرانہ محبت جاگ رہی ہے۔ اسکو وہ ہنس کر نہیں اڑا سکتے "

رگھوپتی :۔" اس برادرانہ محبت کے ہوتے پر پھر کیا کروگے بولو"
نکشتر رائے :۔" میں کیا کرونگا۔ آپ ہی کہئے"
رگھوپتی :۔" اچھی طرح اس بات کو سنو۔ گوبند مانکیہ کا خون دیوی کے درشنوں کے لئے تم کو لانا ہوگا"
نکشتر رائے منتروں کے جاپ کیطرح کہہ گئے :۔" گوبند مانکیہ کا خون دیوی کے درشنوں کے لئے لانا ہوگا"
رگھوپتی نے بڑی بیعزتی کیساتھ کہا :۔" نہیں۔ تم سے کچھ نہیں ہوسکیگا"
نکشتر رائے :۔" کیوں نہیں ہوگا۔ جو آپ کہینگے وہی ہوگا۔ آپ حکم دیتے ہیں نا"
رگھوپتی :۔" ہاں! میں حکم دیتا ہوں"
نکشتر رائے :۔" کیا حکم دیتے ہیں"
رگھوپتی ناراض ہوکر بولا :۔" دیوی کو راجہ کا خون دیکھنے کی خواہش۔ اسلئے تمکو گوبند مانکیہ کا خون دکھا کر دیوی کی خواہش پوری کرنی ہوگی یہی دیوی کا حکم ہے"
نکشتر رائے :۔" میں آج ابھی جاکر فتح خاں کو اس کام کے لئے تعینات کرونگا"
رگھوپتی :۔" نہیں۔ نہیں۔ اس معاملہ کی رتی بھر بھی خبر کسی اور کو نہ ملنے پائے۔ میں تمہاری مدد کے لئے جے سنگھ کو تعینات کرونگا۔ کل صبح آنا۔ میں اسی وقت کام بننے کا طریقہ بتاؤنگا"
نکشتر رائے رگھوپتی کے پنجے سے نکلکر وہاں سے فوراً چلے گئے۔

(۶)

جب نکشتر رائے چلے گئے تب جے سنگھ نے کہا:۔ گرو دیو! ایسی خوفناک بات میں نے کبھی نہیں سنی۔ آپ نے جگدمبا کے سامنے۔ جگدمبا کا ہی نام لیکر بھائی کے ہاتھ سے بھائی کا خون کرنے کا فیصلہ کیا اور مجھے کھڑے ہو کر وہی سننا پڑا۔

رگھوپتی:۔ "اسکے علاوہ اور طریقہ ہی کیا ہے۔ تم ہی کہو"

جے سنگھ:۔ "طریقہ۔ کیسا طریقہ"

رگھوپتی:۔ "دیکھتا ہوں تم بھی دوسرے نکشتر رائے ہو۔ اتنی دیر تک تمنے وہاں کیا سنا"

جے سنگھ:۔ "جو کچھ سنا وہ سننے لائق نہ تھا۔ اسکے سننے میں گناہ ہے"

رگھوپتی:۔ "پاپ پُنیہ کی بات تم کیا سمجھو"

جے سنگھ:۔ "اتنے دن آپکے پاس تعلیم حاصل کی ہے۔ کیا اب بھی میں پاپ پُنیہ کی بات کچھ نہیں سمجھتا"

رگھوپتی:۔ "سنو بیٹا! اب تمکو ایک اور اپدیش دیتا ہوں۔ پاپ پنیہ کچھ نہیں ہے۔ کسکا کون باپ۔ کسکا کون بھائی۔ کسی کا کوئی نہیں۔ ہنسا اگر پاپ ہے تو سبھی ہنسا برابر ہے۔ مگر کون کہتا ہے۔ کہ ہنسا پاپ ہے؟ کتنی ہی چیونٹیوں جیسے چھوٹے ذی روحوں کو ہم لوگ روزانہ پاؤں تلے مسل کر مار ڈالتے ہیں۔ تو کیا ہم لوگ انکے مقابلے میں اتنے بڑے ہیں کہ انکی جان کو کچھ بھی نہ سمجھیں؟ موت تو روزانہ ہوتی ہے! کوئی سر پر پتھر کا ٹکڑا گر جانے سے۔ کوئی سیلاب کے پانی میں بہہ کر اور کوئی ہیضہ کے منہ میں پڑ کر مرتے ہیں۔ کوئی انسان کی چھری کے زخم سے مرتے ہیں۔ ان ناچیز ذی روحوں کی زندگی موت ایک معمولی واقعہ کے علاوہ اور کیا ہے۔ روزانہ ایسے ذی روحوں کی قربانی خود ہی

ہے۔ اگر میں نے چند اور کی قربانی کروی تو کیا نامناسب بات کی۔ کسی نہ کسی وقت تو موت آتی ہی ہے۔ میں تو اسکے درمیان محض ایک ذریعہ ہوں۔

تب جے سنگھ مورتی کیطرف دیکھ کر کہنے لگے "کیا اسی لئے سب لوگ تمکو ماں کہتے ہیں۔ ہائے! تمہارا دل کیسا سخت ہے۔ کیا تمام دنیا کا لہو چوڑ کر پیٹ بھرنے کے لئے ہی تم اپنی زبان کو باہر نکالے رہتی ہو۔ تمنے تو محبت۔ الفت۔ خوبصورتی اور دھرم سبھی پر پانی پھیر دیا۔ تمہیں تو بس بچہ لہو کی پیاس ستاتی ہے۔ تمہارا ہی پیٹ بھرنے کے لئے انسان انسان کے گلے پر چھری پھیریگا۔ بھائی بھائی کا خون کریگا۔ باپ بیٹے آپس میں مار کاٹ کرینگے۔ اے پتھر دل دیوی اگر سچ مچ تمہاری یہی خواہش ہے تو بادل پانی کے بدلے لہو کیوں نہیں برساتا۔ زندگی بخشنے والی رحمدل ندی خون کا پانی لیکر سمندر میں کیوں داخل نہیں ہوتی تب اس دنیا میں صرف ہنسا۔ انتقام۔ وبا اور سیلاب کی حکومت کیوں نہیں ہوئی۔ نہیں۔ نہیں ماں۔ تم ظاہر ہو کر جواب دو۔ یہ اپدیش جھوٹا ہے۔ یہ شاستر جھوٹا ہے میری ماں کا ماں نہ کہکر لوگ اپنی اولاد کا خون پینے والی راکشسی کہیں۔ یہ بات مجھ سے سہی نہیں جائیگی۔ اتنا کہتے کہتے جے سنگھ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ وہ اپنی باتوں کو آپ ہی سوچنے لگے۔ ایسی باتیں اس سے پہلے ان کے دلمیں کبھی نہ اٹھی تھیں۔ اگر رگھوپتی انہیں نئے شاستر کا انوکھا اپدیش دینے نہ آتا تو یہ باتیں انکے دلمیں کبھی نہ اٹھتیں۔

رگھوپتی مسکرا کر بولا: "تب تو قربانی سے متعلق سبھی باتیں ایکدم ختم کر دینی چاہئیں"

جے سنگھ اپنے بچپن سے برابر قربانی دیکھتے آتے ہیں۔ اسوجہ سے مندر میں قربانی کیا کسی وقت بند ہو سکتی ہے۔ اور اسکا بند ہونا ٹھیک ہے ان باتوں پر انکا دل ذرا بھی نہیں لگتا۔ یہانتک کہ ان باتوں کا خیال آنے سے انکے دل پر

چوٹ لگنی ہے۔ اسی وجہ سے جے سنگھ نے رگھوپتی کی بات کا جواب دیا:۔" وہ بات الگ ہے اسکا مطلب ہی کچھ اور ہے۔ اسمیں کوئی پاپ نہیں۔ لیکن اسکے اور محض اسکے لئے بھائی بھائی کا خون کریگا۔ اسی کے لئے مہاراج گوبند مانکیہ کو گورو دیو — میں آپکے پاؤں پکڑ کر پرارتھنا کرتا ہوں۔ مجھ کو مت بہکایئے۔ کیا درا صل دیوی نے خواب میں ایسا کہا۔ راجہ کا خون نہ پانے سے کیا وہ خوش نہ ہوگی"

رگھوپتی ذرا ٹھہر کر بولا:۔" دراصل۔ نہیں تو کیا میں جھوٹ کہتا ہوں۔ میرے اوپر کیا تمہارا اعتقاد نہیں ہے"

رگھوپتی کے پاؤں کی خاک کو ماتھے پر لگا کر جے سنگھ بولے:۔" ماں لیجئے کہ میرا اعتقاد آپ پر پختہ نہیں ہوا ہے لیکن نکشتر رائے کی پیدائش بھی تو شاہی گھرانے میں ہی ہوئی ہے"

رگھوپتی نے کہا:۔" دیوتاؤں کا خواب میں محض اشارہ ہوتا ہے۔ سب باتیں سنی نہیں جاتیں۔ بہت باتیں تجربہ سے ہی سمجھی جاتی ہیں۔ یہ بات تو صاف طور پر ظاہر ہے کہ گوبند مانکیہ سے دیوی ناراض ہوئی ہیں۔ ناراض ہونے کی وجہ بھی تو ہے۔ اس لئے جب دیوی نے راجہ کے خون کی خواہش ظاہر کی ہے۔ تب یہی سمجھنا ہوگا کہ گوبند مانکیہ کا ہی خون وہ چاہتی ہیں"

جے سنگھ:۔" اگر یہ سچ ہے تو میں ہی راجہ کا خون لاؤنگا۔ نکشتر رائے کو گناہ میں نہ پھنسنے دونگا"

رگھوپتی:۔ دیوی کے حکم کی تعمیل کرنے میں کوئی برائی نہیں"

جے سنگھ:۔" برائی نہیں تو نیکی ضرور ہے۔ اس نیکی کو میں ہی حاصل کرونگا"

رگھوپتی:۔ تو سچ سچ کہو۔ دیکھو بیٹا۔ میں نے تمکو بچپن سے بڑی حفاظت سے جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے ہوئے پرورش کیا ہے۔ میں تمکو کھو نہیں سکونگا۔

گوبند مانکیہ کو مار کر نکشتر رائے اگر راجہ ہوئے تو اسمیں کوئی چوں تک نہ کریگا۔ لیکن تم اگر راجہ پر ہاتھ چلاؤ گے تو پھر تم مجھے نہ ملو گے۔"

جے سنگھ:۔"مجھ پر اتنا احسان!۔ میں تو ایک ناچیز انسان ہوں۔ میری محبت کا خیال کر کے تم چیونٹی تک کا بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ ایسی حالت میں مجھ سے پریم کر کے اگر تم گناہ میں پھنسو تو تمہاری اس محبت کا لطف میں زیادہ دن نہ اٹھا سکونگا۔ اس محبت کا انجام اچھا نہ ہوگا۔"

رگھوپتی فوراً بول اٹھا:۔"اچھا وہ بات پھر ہوگی۔ کل نکشتر رائے کے آنے پر کسی ایک بات کا فیصلہ ہو جائیگا۔"

جے سنگھ نے دل ہی دلمیں عہد کر لیا:۔"راجہ کا خون میں ہی لاؤنگا۔ دیوی کی تسکین کے لئے اور استاد کی خوشی کے لئے بھائی کے ہاتھ سے بھائی کا قتل تو کبھی نہ ہونے دونگا۔

---

(۷)

جے سنگھ کو ساری رات نیند نہ آئی۔ استاد کیساتھ جس بات پر بحث مباحثہ ہوا تھا اسکی بہت سی شاخیں جے سنگھ کے دلمیں پھیلنے لگیں۔ کسی کام کو شروع کرنے کے لئے وقت کا زیادہ حصہ ہم لوگوں کے ہاتھ میں ضرور ہے۔ لیکن اس کام کا پورا ہونا ہم لوگوں کے قابو میں نہیں۔ فکر سے متعلق بھی یہی بات ہے۔ جے سنگھ کے دلمیں بڑی تیزی سے اسطرح ایک ایک کر کے سبھی باتیں اٹھنے لگیں۔ وہ باتیں انکے بہت پرانے اعتقاد کی جڑوں کو کاٹنے لگیں جے سنگھ بڑے ہی بیچین اور مضطرب ہوئے

لگے۔ مگر انکی بیچینی کسی طرح بھی دور نہ ہوئی؟ جس دیوی کو اتنے دن سے بے سنگھ ماں سمجھتے تھے۔ اس مادرانہ جذبہ کو گورودیو نے کیوں دور کر دیا؟ انکو ظالم کیوں بتلایا۔ طاقت کی خوشی ہی کیا اور ناراضگی ہی کیا۔ قدرت کے نہ کان ہیں نہ آنکھیں۔ وہ طاقت تو ایک بڑے بھاری رتھ کیطرح ہے جو اپنے لاتعداد پہیوں کے نیچے دنیا کو گھسیٹ کر گھر گھر کی آواز پیدا کرتا ہوا برابر چلا جارہا ہے۔ اسکا سہارا پاکر کون چلا جارہا ہے۔ اسکے نیچے دب کر کون پس گیا۔ اسکے اوپر چڑھ کر کون جلسہ منارہا ہے اور اسکے نیچے پڑکر کون چلّا رہا ہے یہ باتیں اسے کیا معلوم؟ کیا اس قدرتی رتھ کا کوئی ہانکنے والا نہیں؟ — دنیا کے بے قصور بیکس اور مظلوم ذی روحوں کا خون کرنے کو ظالم موت کی طاقت کی ہوس کو مٹانا ہی کیا میرا کام ہے؟ – کیوں؟ - وہ تو آپ ہی اپنا کام کر رہی ہے۔ اسکے پاس قحط ہے۔ سیلاب ہے۔ بھونچال ہے۔ بڑھاپا ہے۔ وبا ہے۔ آگ ہے اور ظالم لوگوں کے دلمیں ہنسا پیدا کرنے والی عقل ہے۔ اس لئے مجھ ناچیز ہستی کی ضرورت ہی اسے کیا ہے؟

اسکے دوسرے دن کی صبح بڑی ہی سہاونی ہے۔ بارش بند ہوچکی ہے۔ مشرق میں بادل نہیں ہیں۔ سورج کی کرنیں گویا پانی سے دُھل کر اور بھی صاف بارش کے پانی اور سورج کی کرنوں سے سب اطراف چمک رہی ہیں۔ سورج کی صاف چمک گویا آسمان میں۔ نرالے میدان میں۔ جنگل میں اور ندی کی روانی میں بالکل سفید ہزاروں کنول پھولوں کی طرح ہے۔ نیلے آسمان میں چیلیں ادھر ادھر چکر لگا رہی ہیں۔ "اندر دھنش" کے نیچے قطار باندھ کر بگلے اڑ رہے ہیں۔ گلہریاں ایک درخت سے دوسرے پر دوڑ رہی ہیں۔ دو ایک خرگوش ایک جھاڑی کے اندر سے نکلکر بڑی بزدلی کیساتھ حیران ہو کر چھپنے کیلئے پھر کوئی محفوظ جگہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ بکری کے چھوٹے چھوٹے بچے ایک سخت پہاڑ پر چڑھ کر گھاس کی نرم پتّیاں نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں گائے بیل آج بڑی خوشی میں مگن ہو کر میدان میں چر رہے ہیں۔ چرواہے گا رہے

ہیں۔ بغل میں گھڑا لیکر جاتی ہوئی ماں کے آنچل کا سرا پکڑے بچے بھی آج باہر نکلے ہیں۔ بوڑھے آدمی پوجا کیلئے پھول توڑ رہے ہیں۔ ندی میں نہانے کیلئے آج بہت سے لوگ جمع ہوئے ہیں۔ وہ سب آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔ ادھر ندی کی "کل کل" کی آواز بند نہیں ہے۔ ہاڑ کے مہینہ میں ایک دن بیشمار ذی روحوں کو پناہ دینے والی اس پرسکون زمین کیطرف دیکھ کر جے سنگھ نے ایک لمبی سانس لی اور مندر میں داخل ہوا۔

مورتی کیطرف دیکھ کر اور ہاتھ جوڑ کر جے سنگھ بولے:۔ کیوں ماں! آج اسطرح ناراض کیوں۔ اگر ایکدن کسی جاندار کا "خون" سامنے نہیں آیا اسی سے کیا ایسی ٹیڑھی بھویں ہو گئیں؟ ہمارے دلیں داخل ہو کر اچھی طرح دیکھو۔ کیا عقیدت میں کوئی کمی دکھائی دیتی ہے؟ بھگتوں کے دل کا حال معلوم کر کے کیا آپکو تسکین نہیں ہوتی؟ —— جو بیقصوروں کا خون چاہتی ہو اچھا ماں! سچ سچ کہو!۔ دھرم کے اوتار گوبند مانکیہ کو دنیا سے اٹھا کر اس ملک میں راکھش کی حکومت قائم کرنا ہی کیا تمہیں منظور ہے؟ کیا راجہ کا خون ضرور چاہیئے؟ تمہارے مبارک منہ سے جواب حاصل کئے بغیر میں راجہ کا قتل کبھی نہ ہونے دونگا اور اس کام میں خلل ڈالونگا۔ "ہاں" یا "نہیں" ایک بات بولو۔

یکایک اس سنسان مندر میں آواز پیدا ہوئی:۔ "ہاں!"

جے سنگھ نے چونک کر پیچھے گھوم کر دیکھا۔ کوئی دکھائی نہیں دیا۔ لیکن ایسا معلوم ہوا جیسے کسی کا سایہ کانپتا ہوا نکل گیا ہو۔ آواز سنکر پہلے انہوں نے سمجھا کہ وہ انکے گورو کی ہی آواز ہے۔ پھر انہوں نے دلمیں سمجھا کہ دیوی نے میرے گورو کی آواز کے ذریعہ ہی حکم دیا ہے۔ ممکن ہے یہی بات ہو۔ لیکن اس آواز کے سنتے ہی انکے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر جے سنگھ نے ماتھا جھکا کر مورتی کو پرنام کیا۔ وہ ہتھیار لیکر مندر سے باہر چلے گئے۔

---

(۸)

گومتی ندی کے جنوبی حصہ میں ایک جگہ بڑا ہی اونچا ٹیلہ ہے۔ بارش کی دھار اور چھوٹے چھوٹے نالوں نے اس اونچی زمین کو بیشمار گڑھوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ وہاں سے کچھ دور ٹھیک آدھے چاند کے سائز کے بڑے بڑے درختوں نے اس زمین کو گھیر رکھا ہے۔ لیکن اس ٹیلے کے درمیان میں بڑا درخت ایک بھی نہیں ہے۔ کہیں کہیں اس ٹیلے پر صرف "ساکھو" کے چھوٹے چھوٹے درخت ہیں جو بڑھنے نہیں پاتے۔ کالے ہو کر جھک گئے ہیں۔ پتھر کے ٹکڑے بہتات سے ادھر ادھر بکھرے پڑے ہیں ایک دو ہاتھ چوڑے سینکڑوں سوتے ٹیڑھے ٹیڑھے راستے سے گھومتے پھرتے۔ آپس میں ملکر ندی میں جا ملے ہیں۔ یہ جگہ لوگوں سے بالکل خالی ہے۔ اس ٹیلے پر ایسے درخت نہیں ہیں جو نظر کو روک سکیں۔ یہیں سے گومتی ندی اور اسکے دوسرے کنارے کے خوشنما و خوبصورت دھانوں کے کھیت وغیرہ بہت دور تک دکھائی پڑتے ہیں۔ گوبند مانکیہ روزانہ صبح کیوقت یہاں ٹہلنے آتے ہیں۔ ساتھ کوئی مصاحب یا نوکر بھی نہیں آتا ہے وہ کبھی کبھی ماہی گیروں کو گومتی میں مچھلی پکڑتے دور سے دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کے پُر مسرت چہرے کو راجہ یوگی کیطرح مستقل مزاجی سے دیکھتے ہیں۔ وہ آنکھیں موند کر بیٹھ جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ان سب کے چہروں پر صبح کا نور ہے یا انکی روحوں کی چمک دکھائی دیتی ہے۔

انکی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ آجکل برسات کے سبب سے وہ ہر روز نہیں آ سکتے تھے۔ لیکن جسدن آسمان صاف ہوتا تھا۔ اسدن آتے تھے۔ مگر جب آتے تھے تب چھوٹے لڑکے تاتا کو اپنے ساتھ ضرور لاتے تھے۔

تاتا کو اب اس نام سے پکارنے کو جی نہیں چاہتا۔ کیونکہ جسکے منہ سے "تاتا" لفظ بولا جانا اچھا لگتا تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ ناظرین کے لئے تاتا لفظ کا کوئی مطلب نہیں۔ لیکن ہاں جب صبح ساکھو کے جنگل میں دھوکے سے سکھوئیے کی آڑ میں چھپ کر اپنی میٹھی آواز کو کچھ تیز کرکے پکارتی تھی۔ "تاتا" اسی طرح اسکے جواب میں درخت درخت پر سے جب جانور پکار اٹھتے تھے اور دور کے جنگل سے "تاتا" کی آواز لوٹ آتی تھی۔ تب وہی تاتا لفظ مطلب سے بھر کر سارے جنگل میں پھیل جاتا تھا۔ تب ہی تاتا ایک لڑکی کے معصوم دل کے بہت نرم محبت سے بھرے ہوئے گھونسلے کو چھوڑ کر پرندے کیطرح بہشت کیطرف اڑ جاتا تھا۔ تب وہی پریم بھرے جذبات کا پیغامبر تمام پرندوں کی صبح کی مستی کو لوٹ لیتا تھا اور صبح کی قدرتی مست نظارہ کیساتھ ایک چھوٹی سی لڑکی کی پرمسرت محبت کو ملا دیتا تھا۔ اب وہ لڑکی نہیں ہے۔ ہے صرف وہی ایک لڑکا۔ مگر تاتا نہیں ہے۔ دنیا کے لاکھوں لوگوں کے لئے سب طرح سے اب وہ لڑکا ہی ہے۔ "تاتا" صرف اس لڑکی کے لئے ہی تھا۔

مہاراج گوبند مانکیہ اس لڑکے کو "دھرو" کہکر پکارتے تھے۔ ہم بھی اب اسے اسی نام سے پکارینگے۔

مہاراج پہلے اکیلے ہی گومتی کے کنارے آتے تھے۔ اب "دھرو" کو اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اسکے پاکیزہ اور صاف منہ کی خوبصورتی میں انہیں بہشت کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ دوپہر کیوقت جب راجہ صاحب سلطنت کے کاموں میں مصروف ہوتے تھے تب بڑے بڑے عالم و بزرگ وزیر انکو گھیر کر کھڑے ہو جاتے تھے اور انکو اپنی صلاح مشورہ دیتے تھے۔ صبح کی کیفیت یہ کہ ایک چھوٹا سا لڑکا انہیں دنیوی جھنجھٹوں سے باہر لے آتا ہے۔ انکی ان بڑی بڑی آنکھوں کے سامنے حسد وغیرہ برے جذبات نہیں رہتے۔ لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر گویا مہاراج دنیا کے درمیان اور

تک پھیلے ہوئے۔ ایک سیدھی شاہراہ پر جا کھڑے ہوتے ہیں۔ وہاں سے گویا انہیں خوبصورت نیلے آسمان کے شامیانے کے نیچے تمام دنیا کی عظیم الشان میٹنگ نظر آتی ہے۔ وہاں سے گویا ہفت آسمانوں کے گانے بجانے کی کچھ کچھ آواز سنائی پڑتی ہے اور اس سیدھی شاہراہ میں گویا سبھی چیزیں صاف اور قدرتی خوبصورتی سے بھرپور معلوم ہوتی ہیں۔ آگے ہی آگے بڑھنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ فکر۔ بیماری۔ افسوس وغیرہ سبھی دور ہو جاتے ہیں۔ مہاراج اس صبح کیوقت اس سنسان جنگل میں۔ ندی کے کنارے اس آسمان کے نیچے ایک لڑکے کی محبت میں ڈوب کر گویا بے انتہا سمندر کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔

گوبند مانکیہ "دھرو" کو گود میں بٹھا کر اسے "دھرو" کی کہانی سنا رہے ہیں۔ وہ اس کہانی کو زیادہ سمجھتا ہے۔ یہ بات نہیں۔ مگر راجہ کا مطلب یہ کہ دھرو کے منہ سے توتلی زبان میں اس کہانی کو دوبارہ سنیں۔

کہانی سنتے سنتے دھرو نے کہا:۔ "میں جنگل کو جاؤنگا"

راجہ:۔ "وہاں کیا کرنے جاؤ گے"

دھرو:۔ ہلی (ہری) کو دیکھنے۔

راجہ:۔ ہم تو ہری کو دیکھنے کیلئے ہی اس جنگل میں آئے ہیں۔

دھرو:۔ ہلی کہاں ہے۔

راجہ۔ اسی جگہ۔

"بہن کہاں ہے۔" یہ کہکر دھرو اٹھ کھڑا ہوا اور پیچھے کیطرف گھوم کر دیکھنے لگا۔ اسکے دل میں آیا گویا اسکی بہن پہلے کیطرح یکایک پیچھے کیطرف سے اس کی آنکھیں موندنے کے لئے آ رہی ہے۔ کسی کو آتے نہ دیکھ کر اسنے گردن جھکا کر اور آنکھیں اٹھا کر پھر راجہ سے پوچھا:۔ "بہن کہاں ہے؟"

راجہ :۔ "تمہاری بہن کو ہری بلا لے گئے"
دھرو :۔ "ہری کہاں ہے"
راجہ :۔ "دھرو۔ انکو پکارو۔ میں نے وہ گیت تمکو سکھایا تھا اسی کو گاؤ ۔
دھرو جھوم جھوم کر راجہ کا سکھایا ہوا ہری بھگتی کا گیت گانے لگا۔ جسے سنکر راجہ کا دل مسرت سے جھوم گیا۔ اسدن کی صبح دوسرے دنوں کے مقابلے میں بہت ہی کشش آور ہو گئی۔ چاروں طرف ندی۔ جنگل۔ درخت اور بیلیں ہنسنے لگیں۔ گوبند مانکیہ کو سورج کی سنہری کرنوں کے آب حیات کے ذریعہ سینچے ہوئے آسمان میں کسی کے خوبصورت اور مسکراہٹ سے پُر چہرہ کی جھلک دکھائی دی۔ دھرو جسطرح ان کی گود میں بیٹھا ہے۔ اسی طرح گویا انکو بھی کسی نے دونو باہوں کے درمیان اپنی گود میں اٹھا لیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو۔ اپنے چاروں طرف کے رہنے والوں کو اور دنیوی سب جڑ چیتن چیزوں کو کسی کی گود میں بیٹھا دیکھا۔ ان کے پریم اور آنند نے سورج کی کرنوں کیطرح سب اطراف بھر دیں ہر طرف پریم اور آنند ہی دکھائی دینے لگے۔ ایسے وقت ہتھیار سجائے جے سنگھ غار کے راستے سے یکایک راجہ کے سامنے آکر کھڑے ہوئے۔ راجہ نے دونو ہاتھ بڑھا کر کہا :۔ "آؤ ۔ جے سنگھ۔ آؤ"
راجہ اسوقت لڑکے کیساتھ ملکر بالکل لڑکے سے ہی ہو رہے تھے۔ ابھی انکی شاہانہ باتیں کہاں؟ جے سنگھ نے زمین میں پیشانی لگا کر راجہ کو پرنام کیا ۔
راجہ جواب میں بولے :۔ "جے سنگھ۔ تم بھی تو میرے عزیز ہو۔ تمہاری پیدائش شاہی گھرانے میں ہوئی ہے۔ تم کھشتری ہو۔
جے سنگھ :۔ "مہاراج۔ میری ایک پرارتھنا ہے"
راجہ :۔ "کیا؟" بولو۔

جے سنگھ :۔ "دیوی آپ سے ناراض ہوگئی ہیں"

راجہ :۔ "کیوں میں نے ان کی ناراضگی کا کیا کام کیا ہے"

جے سنگھ :۔ "مہاراج۔ آپ نے قربانی بند کرکے دیوی کی پوجا میں خلل ڈالا ہے"

راجہ :۔ "کیوں جے سنگھ۔ اس ہنسا کی اتنی خواہش کیوں؟ آج ایسی خوبصورت و دلکش صبح کیوقت ہنسا کی یہ گندی خواہش کیوں؟

سوچکر دیکھو۔ دنیا کو پیدا کرنے والی دیوی کی گود میں دنیا کے سبھی ذی روح بڑے آرام کیساتھ۔ بے کھٹکے ٹہل رہے ہیں۔ اس گود میں خوف۔ افسوس اور ہاہا کار کو پیدا کرکے اور اسی ماتا کی گود میں اسکی اولاد کا خون بہا کر تم ماتا کو خوش کرنا چاہتے ہو۔ دنیا کی شانتی مٹانے کیلئے ایسی آرزو کیلئے؟ ــــ ہنسا کے خاردار اور زہریلے درخت کی جڑ میں جانداروں کا لہو ڈالکر اسے کیوں بڑھا رہے ہو۔ ہائے۔ ہائے۔ رحم کا پرسکون درخت کہاں گیا؟ ــــ محبت کا پھول کیا ہوا؟۔

جے سنگھ آہستہ آہستہ راجہ کے پاؤں کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ دھروان کی تلوار لیکر دیکھنے لگا۔"

جے سنگھ :۔ "کیوں مہاراج! شاستر میں تو قربانی جائز ہے؟"

راجہ :۔ ٹھیک طریقہ پر شاستر کا حکم کون مانتا ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی طبیعت کے مطابق شاستر کے اصولوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ جسوقت دیوی کے سامنے بے بس مظلوم جانداروں کی قربانی ہوتی ہے۔ جسوقت اس قربانی کے خونی رنگ سے سارے جسم کو بھر کر سب لوگ بڑے زور سے چلا چلا کر بھیانک جوش کیساتھ رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اسوقت کیا وہ دیوی کی پوجا کرتے ہیں؟ ــــ نہیں۔ اپنے دل میں جو ہنسا کی راکھشسی ہے۔ اسی

راکھشسی کی پوجا کرتے ہیں۔ہنسا راکھشسی کے آگے جانداروں کی قربانی دینے کا حکم شاستر میں نہیں ہے۔بلکہ ہنسا کی ہی قربانی کرنے کا حکم شاستر دیتا ہے۔ "اہنسا پرمو دہرم" اہنسا (کسی ذی روح کو ایذا نہ دینا) ہی سب سے بڑا اور مقدس فرض ہے۔

جے سنگھ بڑی دیر تک چپ رہے۔کل رات سے انکے بھی دلمیں اس طرح کی بہت سی باتیں اٹھ رہی ہیں۔آخر میں انہوں نے کہا "میں نے مجسم دیوی کے منہ سے سنا ہے۔اسلئے اس بارہ میں اب اور کوئی شک نہیں ہو سکتا۔اسنے خود کہا ہے کہ میں مہاراج کا خون چاہتی ہوں" یہ کہکر جے سنگھ نے راجہ کو واقعہ کا حال کہہ سنایا۔جو صبح کیوقت مندر میں ہوا تھا۔

راجہ ہنسکر بولے "یہ دیوی کا حکم نہیں۔اسے رگھوپتی کا ہی حکم سمجھو۔رگھوپتی نے ہی اندر چھپکر تمہاری بات کا جواب دیا ہے۔

راجہ کی اس بات کو سنکر جے سنگھ ایکدم چونک پڑے۔انکے دلمیں بھی اس طرح کا شک ایک دفعہ پہلے پیدا ہوا تھا۔لیکن بجلی کیطرح وہ فوراً ہی دور ہو گیا تھا۔راجہ کی بات سنکر اس بات کا دھکا پھر کلیجے میں لگا۔جے سنگھ بیچین ہوکر بولے "نہیں۔مہاراج میرے شک کو مت بڑھائیے۔کنارے سے دھکیل کر سمندر کے درمیان مجھے مت پھینکئے۔آپکی بات سے تو میرے چاروں طرف اور بھی تاریکی بڑھ رہی ہے۔میرا جو اعتقاد تھا۔میری جو عقیدت تھی۔وہی قایم رہے۔انکی تبدیلی کے لئے میں اس وہم میں نہیں پڑنا چاہتا۔دیوی کا حکم ہو چاہے گورو کا بات ایک ہی ہے۔میں اسے ضرور مانونگا"

یہ کہکر جے سنگھ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے اپنی تلوار نکال لی۔سورج کی کرنوں میں تلوار بجلی کیطرح چمکنے لگی۔جسے دیکھ کر دھرو زور سے رونے لگا۔اسنے راجہ سے لپٹ کر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے جہانتک ممکن ہو سکا انہیں چھپایا راجہ نے جے سنگھ کیطرف کچھ دھیان نہ دیکر دھرو کو ہی اپنی چھاتی سے لگا رکھا۔

جے سنگھ نے تلوار دور پھینک دی۔ اور دھرو کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا:۔ کوئی ڈر نہیں بچہ۔ کوئی ڈر نہیں۔ میں جاتا ہوں۔ تم انکی حفاظت میں رہو۔ انکے وسیع دل میں موجود رہو۔ تمکو کوئی غلطی دوبارہ نہ کریگا۔ راجہ کو پرنام کرکے جے سنگھ چلنے کو تیار ہوئے۔ یکایک کچھ سوچ کر پھر لوٹے اور بولے:۔ مہاراج کو ہوشیار کئے دیتا ہوں۔ آپکے بھائی نکشتر رائے نے آپکو اس دنیا سے اٹھا دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اساڑھ شکل چتر دشی کی رات کو دیوی کی پوجا ہوگی۔ اسدن آپ ہوشیار رہیگا۔

راجہ نے ہنسکر کہا:۔ "نکشتر کسی طرح مجھے قتل نہ کرسکیگا۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے"

جے سنگھ چلے گئے۔

دھرو کیطرف دیکھ کر راجہ بڑی عقیدت کیساتھ بولے:۔ "آج تمہیں نے قتل اور خون سے زمین کو بچایا ہے۔ اسی لئے تمہاری بہن تمکو میرے پاس چھوڑ گئی ہے"

اب راجہ نے دھرو کے گالوں پر سے آنسو کی دھار کو پونچھ ڈالا۔ دھرو نے پھر بھولے پن سے پوچھا:۔ "بہن کہاں ہے؟"

اسی وقت بادل نے گھر کر سورج کو ڈھانپ لیا۔ ندی کے اوپر کالی گھٹا کا سایہ پڑنے لگا۔ جنگل کا دور کا حصہ بادل کیطرح ہی تاریک ہوگیا۔ پانی برسنے کے آثار دیکھ کر راجہ راج بھون میں لوٹ آئے۔

۹

مندر بہت دور نہیں۔ مگر جے سنگھ ندی کے سنسان گھاٹ پر گھوم پھر کر آہستہ آہستہ مندر کیطرف چلے۔ انکے دلمیں بہت فکر پیدا ہوا۔ وہ ندی کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھوں سے اپنے منہ کو ڈھانپ کر سوچنے لگے :-

ایک کام تو میں نے کر ڈالا پھر بھی شک دل سے نہیں جاتا۔ آج سے میرے شبہات کو کون دور کریگا؟ کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے یہ آج سے مجھے کون سمجھائیگا؟ دنیا کے سینکڑوں کروڑوں راستوں کے منہ پر کھڑا ہو کر کس پوچھونگا کہ کون راستہ ٹھیک ہے۔ میں اس عجیب میدان میں اندھے کیطرح کھڑا ہوں۔ آج میرے سہارے کی لاٹھی ٹوٹ گئی۔

جے سنگھ جب وہاں سے اُٹھے تب پانی کچھ کچھ برسنے لگا تھا۔ بارش میں بھیگتے بھیگتے وہ مندر کیطرف چلے گئے۔ انہوں نے راستے میں دیکھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوئے شور و غل کرتے مندر کیطرف چلے جارہے ہیں۔

ایک بوڑھا کہتا ہے :" باپ دادا کیوقت سے تو یہی ہوتا آیا ہے۔ نہ معلوم راجہ کی عقل آج ایسی کیوں ہو گئی جو ان باتوں کو بالکل اٹھا دیا۔"

ایک جوان آدمی نے کہا:" اب مندر میں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ پوجا کی اب وہ شان کہاں؟"

کسی نے کہا:" یہ تو نواب کی سی عملداری ہو گئی۔ اسکا مطلب یہی کہ قربانی کی نسبت مسلمانوں کے ہی دلمیں ہچکچاہٹ ہو سکتی ہے لیکن ہندو کے دلمیں مخالف جذبات کا ہونا حیرانی ہے۔"

عورتیں کہنے لگیں :" اس راج کا اب کلیان نہ ہوگا۔"

ایک نے کہا "پوجاری جی نے خود کہا ہے کہ دیوی نے خواب میں ان سے کہا ہے کہ تین مہینے کے اندر یہ ملک قحط سے اُجڑ جائیگا"

للتا نے کہا "اس بات کو کیوں نہیں دیکھتی۔ مادھو ڈیڑھ برس سے بیمار ہو کر بھی بچا ہوا تھا۔ مگر قربانی بند ہوتے ہی مر گیا"

شانتا بولی "یہی نہیں۔ میرے جیٹھ کے لڑکے کو کون جانتا تھا کہ مر جائیگا۔ کیا وہ مرنے لائق تھا۔ جیسے ہی ویدراج کی گولی کھائی ویسے ہی اسکی آنکھیں الٹ گئیں۔

اس لڑکے کے افسوس میں اور ملک کا نقصان ہونے کے خوف سے شانتا بیچین ہو گئی۔

تین کوری نے کہا "اسدن مدھرہائی کے بازار میں آگ لگی۔ کسی بھی گھر کا چھپر نہیں بچا۔

چنتا منی کسان نے اپنے ایک ساتھی کسان سے کہا "بہت کہنے سے کیا۔ کیا دیکھتے نہیں ہو۔ اس سال جیسا ستاو ھان ہوا ہے ویسا اور کسی سال نہیں ہوا تھا۔ کون جانتے اس سال کسانوں کی قسمت میں کیا لکھا ہے"

قربانی بند ہونیکے بعد اور اسکے پہلے بھی جسکا جو کچھ نقصان ہوا تھا۔ اسکا۔ سبب کی صلاح سے، صرف ایک ہی سبب قربانی بند ہونا فیصلہ ہوا تھا۔ اس ملک کو چھوڑ کر اب دوسری جگہ جانا ہی ٹھیک ہے۔ یہی سب کا خیال ہوا۔ مگر اس خیال سے کچھ ہوا نہیں۔ کوئی ملک چھوڑ کر نہیں گیا۔ جو جہاں تھا وہیں رہا۔ جے سنگھ کا دل ٹھکانے پر نہ تھا۔ اسلئے ان باتوں پر خاص دھیان نہ دیکر وہ مندر میں جاکر پہنچے دیکھا کہ رگھوپتی پوجا ختم کر کے مندر کے باہر بیٹھا ہے۔ جے سنگھ نے بڑے لمبے لمبے قدموں سے رگھوپتی کے پاس جاکر مضطرب آواز سے پوچھا "گرو دیو!

دیوی کا حکم پانے کی خواہش سے آج صبح جب میں نے دیوی سے عاجزانہ انداز میں سوال پوچھا تو اسکا جواب آپ نے کیوں دیا؟"

رگھوپتی کچھ ٹالم مٹول کر کے بولا:۔" دیوی تو میرے ہی ذریعہ اپنے خیالات کا پرچار کرتی ہے۔ وہ اپنے منہ سے تو کچھ بولتی نہیں

جے سنگھ نے کہا:۔" تو آپ سامنے آکر کیوں نہیں بولے۔ آپ نے اندر چھپکر مجھے کیوں دھوکا دیا؟"

رگھوپتی غصہ ہو کر بولا:۔" چپ رہو۔ میں کیا سوچکر کونسا کام کرتا ہوں۔ اسے تم کیا سمجھوگے؟" جو کچھ منہ میں آئے اسے ہی مت بکا کرو۔ میں جو کچھ حکم دوں اسی کی تعمیل کرو اور کوئی بات مت پوچھو"

جے سنگھ چپ ہو رہے۔ انکا شک اور بھی بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے کہا:۔ آج صبح میں نے دیوی سے کہا کہ اگر وہ اپنے منہ سے کچھ حکم نہ دیگی تو راجہ کے قتل کا واقعہ میں کبھی نہ ہونے دونگا۔ اس کام میں خلل ڈالونگا۔ جب مجھے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ دیوی کچھ حکم نہیں دیتی تب میں نے مہاراج کو نکشتر رائے کا عہد بتلا دیا اور انہیں ہوشیار کر دیا۔

رگھوپتی کچھ دیر تک چپ بیٹھا رہا۔ پھر اپنے بیحد غصہ کو دبا کر اونچی آواز میں بولا:۔" مندر کے اندر چلو"

دونو مندر کے اندر چلے گئے۔

رگھوپتی نے کہا:۔" دیوی کے قدم چھو کر قسم کھاؤ اور کہو کہ اساڑھ شکلا چتردشی کو راجہ کا خون لا کر ان قدموں میں تحفہ رکھدونگا"

جے سنگھ سر جھکا کر کچھ دیر تک چپ رہے۔ اسکے بعد ایک دفعہ گورو کے منہ کیطرف اور ایکدفعہ مورتی کیطرف سر اٹھا کر دیکھا۔ پھر دیوی کی مورتی کو چھو کر آہستہ

آہستہ کہا:- اساڑھ شنگا چترونشی کو راجہ کا خون لاکر ان قدموں پر چڑھا دونگا۔

۱۰

راج بھون میں آکر مہاراج نے راجیہ کے معمولی کاموں کو ختم کر کے فراغت پائی۔ بادل گھر آنے سے پھر اندھیرا چھا گیا۔ مہاراج کا دل بہت ہی اوداس ہے۔ پہلے نکشتر رائے دربار میں حاضر رہتے تھے۔ مگر آج حاضر نہ تھے۔ راجہ نے انکو بلا بھیجا۔ انہوں نے آنے سے مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہلا بھیجا کہ ہماری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ راجہ خود نکشتر رائے کے پاس گئے۔ انہوں نے سر اٹھا کر راجہ کیطرف دیکھا تک نہیں۔ ایک لکھا ہوا کاغذ ہاتھ میں لیکر ایسے بن گئے گویا کسی گہرے فکر میں مستغرق ہیں۔

راجہ نے پوچھا:" نکشتر! کیا تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے۔

نکشتر رائے کاغذ کو بار بار الٹ پلیٹ کر ہاتھ کی انگلی کی طرف دیکھتے ہوئے بولے:" خراب! نہیں خراب تو نہیں ہے۔ یہی ایک ضروری کام تھا ہاں! ہاں خراب بھی ہو گئی تھی۔ کچھ خراب ہی کیطرح سے ہے۔

نکشتر رائے بہت بیچین ہو گئے۔ گوبند مانکیہ بڑی اداسی سے نکشتر کے منہ کیطرف دیکھنے اور دل ہی دل میں کہنے لگے:۔ ہائے! ہائے! محبت کے گھر میں ظلم (ہنسا) داخل ہوا ہے۔ وہ سانپ کیطرح چھپ کر رہنا چاہتا ہے۔ مگر منہ دکھانا نہیں چاہتا۔ ہم لوگوں کے جنگل میں کیا جانداروں کو مارنے والے جانور کافی نہیں ہیں۔ تو کیا اب انسان بھی انسان کو دیکھ کر ڈریگا؟ یہی میرے بھائی ہیں

انہیں کیساتھ روزانہ ایک گھر میں رہتا ہوں۔ ایک آسن پر بیٹھتا ہوں ہنسی خوشی سے باتیں کرتا ہوں۔ لیکن یہ میرے پاس رہکر میرے ہی لئے دلکے اندر چھری تیز کر رہے ہیں۔ گوبند مانکیہ کے لئے اسوقت یہ دنیا جانداروں کو مارنے والے جانوروں سے بھرے ہوئے جنگل کیطرح معلوم ہونے لگی۔ گہری تاریکی میں چاروں طرف صرف دانت اور تیز ناخونوں کی چمک دکھائی دینے لگی۔ زور سے سانس لیکر مہاراج نے دلمیں سوچا کہ میں اس محبت کے جذبات سے خالی نقصان دہ حکومت میں بیٹھکر اپنے ہمقوم انسانوں کے دلمیں ظلم۔ حرص اور عداوت کی آگ بھڑکا رہا ہوں۔ میرے تخت کے چاروں طرف میری زندگی سے بھی زیادہ قیمتی میرے رشتہ دار و احباب میری طرف دیکھ کر دل ہی دلمیں منہ بنلاتے ہیں۔ دانت پیستے ہیں اور زنجیر سے بندھے ہوئے خوفناک کتوں کیطرح چاروں طرف سے میرے اوپر ٹوٹ پڑنے کا موقعہ ڈھونڈ رہے ہیں ان لوگوں کے تیز ناخونوں کے حملوں سے زخمی ہونیکی بجائے اور ان لوگوں کی لہو پینے کی پیاس کو رد کرنے کی بجائے یہاں سے چلے ہی جانا بہتر ہے۔ صبح کیوقت گوبند مانکیہ نے آسمان میں جو محبت سے سرشار چہرہ کی جھلک دیکھی تھی وہ اس وقت کہاں چھپ گئی ہے۔

مہاراج اُٹھ کھڑے ہوئے اور سنجیدگی سے بولے "نکشتر۔ آج تیسرے پہر ہم تم دونوں۔ گومتی کے کنارے۔ سنسان جنگل میں گھومنے چلینگے"۔

اس سنجیدگی سے بھرے ہوئے ماجرہ کے حکم کے برخلاف نکشتر کے منہ سے کوئی بات نہیں نکلی۔ بلکہ بہت سے شبہات اور وہم سے انکا دل بھر اٹھا۔ ان کے دلمیں یوں ترنگیں اٹھنے لگیں۔ مہاراج اتنی دیر تک مستقل مزاجی سے میری ہی طرف نظر جمائے بیٹھے تھے۔ میرے دلمیں جو خیال۔ اندھیرے گڑھے کے اندر دبی کیڑوں کیطرح اتھل پتھل مچا رہے تھے وہ گویا روشنی دیکھ کر یکایک چنچل ہو کر

اسجگہ باہر نکل پڑے۔ ڈرتے ڈرتے نکشتر رائے نے راجہ کے منہ کیطرف ایک بار دیکھا۔ انکے منہ پر گہری اداسی کیساتھ شانتی (سکون) کے جذبات چھائے ہوئے تھے۔ مگر اسمیں غصہ یتمہ بھر بھی نہیں۔ صرف انسان کے دلکی سختی اور ظلم دیکھ کر ان کے دلیں بیحد افسوس پیدا ہورہا تھا۔

وہ وقت آپہنچا۔ ابھی تک آسمان میں بادل چھا رہے ہیں۔ نکشتر رائے کو ساتھ لیکر مہاراج پیدل ہی جنگل کیطرف چلے۔ ابھی شام ہونے میں کچھ دیر ہے مگر بادلوں کی تاریکی سے شام ہو جانے کا خیال ہو رہا ہے۔ کوے جنگل کے اندر ادھر ادھر سے آکر بیحد "کائیں کائیں" کر رہے ہیں۔ دو ایک چیلیں اب بھی آسمان میں چکر لگا رہی ہیں۔ دونو بھائی جب سنسان جنگل میں داخل ہوئے۔ تب نکشتر رائے کا جسم تھر تھرانے لگا۔ بڑے بڑے پرانے درخت سخت ہو کر کھڑے ہیں۔ وہ کچھ بولتے نہیں مگر مستقل مزاجی سے چیونٹی کے چلنے کی آواز بھی سن لیتے ہیں۔ وہ صرف اپنے سایہ کیطرف اور اپنی تاریکی کیطرف ٹکٹکی لگائے دیکھ رہے ہیں۔ اس سنسان پُر اسرار جنگل کے اندر نکشتر رائے آگے چلنا چاہتے ہیں مگر پاؤں نہیں اٹھتا چاروں طرف کامل سکون کا عمل دیکھ کر انکا دل دھڑکنے لگا۔ نکشتر رائے کو بہت ہی شبہ اور خوف ہوا۔ خوفناک مستقل کیطرح راجہ چپ چاپ اس شام کیوقت اس زمین کے اندر سے انہیں کہاں لئے جا رہے ہیں۔ اسکا کچھ بھی پتہ انہیں نہ لگا۔ دلمیں سمجھا کہ وہ راجہ کے پاس گرفتار ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے سکون بخشنے کو راجہ انہیں اس جنگل میں لے آئے ہیں۔ نکشتر رائے اب ایک دم بھاگ سکتے تو بچ جاتے۔ مگر انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی انکے پاؤں باندھکر کھینچے لئے جا رہا ہو۔ اب انکی حفاظت کا اور کوئی طریقہ نہیں۔

جنگل میں بہت سی جگہ خالی پڑی۔ اسمیں ایک قدرتی جھیل کیطرح ہے

جو برسات میں پانی سے بھر جاتی ہے۔ اسی جھیل کے اندر خشک زمین پر گھوم پھر کر راجہ نے یکایک کھڑے ہو کر کہا:۔ "ٹھہرو"
نکشتر رائے چونک کر کھڑے ہو گئے۔ انکو ایسا معلوم ہوا کہ راجہ کا یہ حکم سنکر گویا اسوقت زمین کی رفتار رک گئی۔ اسی وقت گویا جنگل کے درخت جھک کر کھڑے ہو گئے۔ نیچے زمین اور اوپر آسمان گویا سامنا روک کر مستقل مزاجی سے دیکھنے لگے۔ کوؤں کا شور بند ہو گیا۔ جنگل میں بالکل سناٹا چھا گیا۔ کوئی بھی آواز کہیں سنائی نہ دیتی تھی۔ صرف وہی "ٹھہرو" لفظ گویا بجلی کی سی تیزی سے درخت درخت پر، ٹہنی ٹہنی پر، سب جگہ پھیل گیا۔ جنگل کا ایک ایک پتہ گویا اسی لفظ کا دھکا کھا کر کھڑ کھڑانے لگے۔ نکشتر رائے بھی درخت کیطرح مستقل مزاجی سے کھڑے ہو گئے۔
اب نکشتر رائے کے منہ کیطرف اپنی اندرونی بیچینی و تکلیف سے بھری ہوئی نظر قایم کر کے راجہ اطمینان سے لہجہ میں بولے:۔ "نکشتر! تم مجھ کو مارنا چاہتے ہو؟" پتھر کے بت کیطرح نکشتر کھڑے رہے۔ جواب تک دینے کا انہیں ہوش نہ رہا۔

راجہ نے کہا:۔ "بھائی! مجھے کیوں مارو گے؟ سلطنت کی حرص سے ہی نا! کیا تم سوچتے ہو کہ سلطنت صرف طلائی تخت۔ ہیرے کے مکٹ اور راج چھتر اور اس تخت کا بوجھ جانتے ہو کتنا ہے؟ لاکھوں انسانوں کی فکر اسی ہیرے کے تاج سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اگر حکومت کرنا چاہتے ہو تو ہزاروں انسانوں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھو۔ ہزاروں کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ کر منظور کرو۔ ہزاروں لوگوں کے افلاس کو اپنا افلاس جانکر اسے قبول کرو۔ جو ایسا کر سکے وہ حقیقت میں راجہ ہے۔ وہ جھونپڑی میں رہے چاہے محل میں۔ جو انسان سب لوگوں کو اپنا جانتا ہے۔ اسی کے وہ سب لوگ ہیں۔ اسکی شان۔ اسکی عزت اور اسکے

سکھ کو لاتعداد فوج لا کر بھی کوئی چھین نہیں سکتا۔ زمین کے دکھ کا جو ناش کرے وہی زمین کا راجہ ہے۔ مگر زمین کی دولت اور خون کو جو چوستا ہے۔ وہ تو ڈاکو ہے ہزاروں بدقسمت انسانوں کے آنسوؤں کی دھارا اسکی پیشانی پر دن رات بہا کرتی ہے......... کوئی اتنا بڑا راج چھتر نہیں جو اس بد دعا کی تیز دھار سے اسکی حفاظت کر سکے۔ اسکے زیادہ سے زیادہ استعمال کے اندر سینکڑوں بھوکوں کی بھوک جا کر چھپی ہے۔ وہ بے کس انسانوں کے افلاس کو مٹا کر اسی سے طلائی زیور پہنتا ہے۔ اسکے زمین تک پھیلے ہوئے شاہی لباس کے اندر سردی سے تنگ آئے ہوئے سینکڑوں لوگوں کے میلے کچیلے چیتھڑے گھسے ہیں۔

بھائی! راجہ کو مار ڈالنے سے ہی کسی کو راجیہ نہیں مل سکتا۔ زمین کو قابو میں کر کے راجہ ہونا اچھا لگتا ہے۔"

گوبند مانکیہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئے۔ نکشتر رائے سر جھکا کر چپ چاپ کھڑے رہے۔

مہاراج نے نیام سے تلوار نکالی اور نکشتر رائے کے آگے رکھ کر کہا۔ بھائی! اسجگہ کوئی نہیں ہے۔ کوئی گواہ بھی نہیں۔ اگر بھائی کے کلیجے میں بھائی چھری گھونپنا چاہتا ہے تو اسکے لئے یہی مناسب جگہ ہے اور یہی ٹھیک وقت ہے۔ اسجگہ کوئی تمہاری بدنامی نہ کریگا۔ تمہاری اور میری نسوں میں ایک ہی خون بہہ رہا ہے۔ ایک ہی ماں باپ۔ ایک ہی دادے۔ پڑدادے کا لہو میرے اور تمہارے جسم میں حرکت کر رہا۔ تم اسی خون کو برباد کرنا چاہتے ہو۔ مگر ایسا کام انسانوں کے رہنے کیجگہ میں مت کرو۔ کیونکہ اسجگہ اس خون کا چھینٹا پڑیگا تو خفیہ طور پر برادرانہ محبت کا پاکیزہ رشتہ ڈھیلا پڑ جائیگا۔ کون جانے پاپ کا انجام کہاں جا کر ہوتا ہے۔ پاپ کا ایک بھی بیج کسی جگہ پڑ جاتے تو اسکے چھپانے کی

ہزار کوشش کرنے پر بھی دیکھے دیکھے وہاں ہزاروں درخت۔ پیدا ہو جاتے ہیں انسانوں کا یہ بیحد خوبصورت سماج آہستہ آہستہ کسطرح جنگل میں بدلجاتا ہے۔ اسے کوئی نہیں جان سکتا۔ اسلئے شہر میں، دیہات میں، جہاں اطمینان اور بیغرضی سے بھائی بھائی کو پیار کرتے ہوں۔ ایسے بھائیوں کی محبت بھری رہائش گاہ میں تمہیں بھائی کا خون نہ کرنا پڑے۔ اسی لئے آج تمکو میں اس جنگل میں بلا لایا ہوں۔ اب راجہ نے نکشتر رائے کے ہاتھ میں تلوار اٹھا کر دے دی۔ لیکن اسکے ہاتھ سے تلوار نیچے گر پڑی۔

نکشتر رائے دونو ہاتھوں سے اپنا منہ چھپا کر رونے اور روندھے ہوئے گلے سے کہنے لگے:۔ بھائی صاحب! میں قصوروار نہیں ہوں۔ میرے دل میں اس طرح کا خیال کبھی پیدا نہیں ہوا۔ راجہ انکو گلے لگا کر بولے:۔ یہ میں جانتا ہوں تم کیا مجھے کبھی قتل کر سکتے ہو؟ میں جانتا ہوں تمکو کچھ لوگوں نے بری صلاح دی ہے۔ اس میں تمہارا قصور نہیں ہے

نکشتر رائے:۔ اور کوئی نہیں۔ صرف رگھوپتی مجھ کو یہ اپدیش دیتا ہے۔

راجہ:۔ تو اس سے دور رہو۔

نکشتر:۔ آپ بتا دیجئے۔ میں کہاں جاؤں۔ میں اب یہاں رہنا نہیں چاہتا ہیں اس جگہ سے بھی بھاگنا چاہتا ہوں۔

راجہ:۔ تم ہمیشہ میرے ہی پاس رہو۔ اور کہیں مت جاؤ۔ رگھوپتی تمہارا کیا بگاڑ سکیگا۔

نکشتر رائے نے راجہ کا ہاتھ خوب زور سے پکڑ لیا۔ گویا انہیں رگھوپتی کھینچکر لیجائیگا۔ اسی کا خوف ہو رہا ہے۔

۱۱

راجہ کا ہاتھ پکڑے جب نکشتر رائے جنگل سے گھر لوٹے آرہے تھے تب بھی آسمان سے کچھ کچھ روشنی آرہی تھی۔لیکن جنگل کے آدھے حصے میں ایسا سخت اندھیرا ہو گیا گویا تاریکی کا سیلاب آگیا ہو۔اب صرف درختوں کے اوپر کا حصہ نظر آتا ہے۔کچھ دیر میں وہ بھی چھپ جائیگا۔تب تاریکی سیاہی سے زمین اور آسمان کو ایک کر دیگی۔

راجہ راج بھون کے راستے نہ جاکر مندر کیطرف گئے۔مندر کی شام کی آرتی کرکے رگھوپتی اور جے سنگھ گھر میں ایک چراغ جلائے بیٹھے ہیں۔دونوں ہی سنجیدگی سے اپنے اپنے دل کی باتیں سوچ رہے ہیں۔چراغ کی دھندلی روشنی میں صرف ان دونوں کے منہ کا سایہ نظر آرہا ہے۔نکشتر رائے رگھوپتی کو دیکھ کر اسکے سامنے اپنا منہ نہیں کرسکے۔راجہ کے سایہ میں اپنے آپ کو چھپا کر وہ زمین کیطرف دیکھنے لگے راجہ نے انکو اپنے پاس کھینچکر مضبوطی کیساتھ انکا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا اور غور سے ایک دفعہ رگھوپتی کے منہ کیطرف دیکھا۔اسکے بعد راجہ نے رگھوپتی کو پرنام کیا۔نکشتر رائے نے بھی راجہ کی پیروی کی۔پرنام منظور کرکے رگھوپتی سنجیدگی سے بولا:۔"شبھ ہو مہاراج۔راجیہ میں خیریت تو ہے"

راجہ کچھ ٹھہر کر بولے "آپ دعا دیجئے کہ راجیہ کا کچھ برا نہ ہو۔اس راجیہ میں جگدمبا (دیوی) کی اولاد آپس میں محبت اور پریم سے رہے۔اس راجیہ میں بھائی کے پاس سے کوئی بھائی کو بہکا کر نہ لیجائے۔جہاں پریم ہے وہاں کوئی ظلم (ہنسا) کی بنیاد نہ ڈالے۔میں راجیہ کے برا ہونیکے خوف سے ہی یہاں آیا

ہوں۔ برے اور گندے خیالات کی پیدائیش سے نیک رجحانات ضایع ہو جاتے ہیں۔ اب انکو دور ہیجئے۔ پریم روپی جل کی بارش کیجئے اور زمین کو ٹھنڈی۔

رگھوپتی :۔ دیوتا کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھے پھر کون اسے ٹھنڈا کر سکتا ہے۔ ایک قصوروار کے سبب ہزاروں بیقصور آدمی اس آگ میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں ۔"

راجہ :۔ اسی بات کا تو زیادہ ڈر ہے۔ اسی سے تو میں کانپ رہا ہوں۔ اس بات کو سمجھ کر بھی کوئی کیوں نہیں سمجھتا؟ آپ کیا نہیں جانتے کہ اس راجیہ میں دیوتا کا نام لیکر دیوتا کے اصول کو توڑا جا رہا ہے۔ اسی لئے نقصان کا خیال کر کے میں آج شام کیوقت یہاں آیا ہوں۔ اس جگہ پاپ کا درخت لگا کر میرے اس عیش و عشرت سے بھرپور راجیہ میں آپ دیوتا کے غصہ کو بلا کر نہ لائیں۔ آپ سے یہی بات کہنی تھی اور خاصکر یہی کہنے کیلئے میں آج یہاں آیا ہوں۔ اب انہوں نے رگھوپتی کے چہرے پر گہری نظر ڈالی۔ راجہ کے منہ سے نکلی ہوئی وہ بلند آواز، گہری ہوئی چکر دار ہوا کیطرح اس گھر میں گونجنے لگی۔ رگھوپتی سے کچھ جواب دیتے نہ بنا۔ وہ یگیوپویت ہاتھ میں لیکر کانپنے لگا۔ راجہ اسے پرنام کر کے نکشتر رائے کا ہاتھ پکڑ کر باہر آئے۔ اس گھر میں رہ گیا صرف ایک چراغ۔ رگھوپتی اور رگھوپتی کا ایک لمبا سایہ۔ ؟

اسوقت آسمان میں روشنی کا کہیں نام نہیں۔ بادلوں نے ستاروں کو چھپا رکھا ہے۔ اس بھیانک اندھیرے میں۔ ٹھنڈی ہوا کی لہریں کہیں سے آتی ہوئی پھولوں کی خوشبو پائی جاتی ہے اور جنگل کے درختوں کی "سر سر" کی آواز سنائی دیتی ہے۔ فکر میں ڈوبے ہوئے راجہ بیدھڑک سڑک پر چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے یکایک سنا۔ کسی نے پیچھے سے ...."مہاراج" کہکر پکارا ہے۔

راجہ نے پیچھے کیطرف گھوم کر پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

شناسا آواز نے کہا۔ "میں آپ کا ناچیز غلام جے سنگھ ہوں، مہاراج۔

آپ میرے گورو اور مالک ہیں آپکے علاوہ میرے اور کوئی نہیں۔ جیسے آپ اپنے
چھوٹے بھائی کو ہاتھ پکڑے ہوئے اس اندھیرے میں لئے جا رہے ہیں۔ ویسے
ہی میرا بھی ہاتھ پکڑ لیجئے۔ مجھ کو اپنے ساتھ لیتے چلیئے۔ میں سخت اندھیرے میں پڑا
ہوں۔ میں کچھ بھی نہیں جانتا کہ کیا کرنے سے اچھا ہو گا اور کیا کرنے سے برا ہو گا۔ میں
کبھی بائیں طرف جاتا ہوں اور کبھی داہنی طرف۔ مجھے پار کرنے والا کوئی نہیں۔
اسی اندھیرے میں جے سنگھ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ مگر کسی نے دیکھا
نہیں۔ صرف جوش سے بھری ہوئی جے سنگھ کی کانپتی ہوئی آواز راجہ کے کانوں
میں داخل ہونے لگی۔ جیسے ہوا کا دھکا کھا کر سمندر چنچل ہو کر کانپنے لگتا ہے ویسے
ہی وہ سخت شدید تاریکی جے سنگھ کی درد بھری آواز کا دھکا کھا کر کانپنے لگی۔
جے سنگھ کا ہاتھ پکڑ کر راجہ بولے: چلو! میرے ساتھ راج بھون کو چلو۔

۱۲

اسکے دوسرے دن جب جے سنگھ مندر میں لوٹ آئے تب پوجا کا وقت
ختم ہو گیا تھا۔ رگھوپتی اداس منہ اکیلا بیٹھا تھا۔ اس سے پہلے اسطرح کبھی پوجا
میں خلل نہ پڑا تھا۔
گورو کے پاس نہ جا کر جے سنگھ سیدھے اپنے باغ میں گئے۔ وہاں پر وہ درختوں
کے جھنڈ کے اندر جا بیٹھے۔ انکے چاروں طرف درخت اور پودے ہلنے جلنے لگے
اور سایہ کو بھی نچانے لگے۔ انکے چاروں طرف پھولوں سے گتھے ہوئے پتوں
کے گچھے تھے۔ ہرے ہرے جھالردار پتوں کے اوپر پتوں کی جھالریں تھیں

دلیں گدگدی پیدا کرنے والی چھاؤں۔ میٹھی میٹھی خوشبو۔ اور خوبصورت قدرتی کشش اسجگہ یہ سب انکے سامنے ناچیز ہیں۔ مگر کچھ پوچھتے نہیں۔ خیالات کا تسلسل نہیں توڑتے۔ دیکھنے پر دیکھتے ہیں۔ بولنے پر بولتے ہیں۔ قدرت کے اس اندرونی محل میں بیٹھ کر جے سنگھ سوچنے لگے۔ راجہ نے جو اپدیش انکو دیئے تھے۔ انکا وہ دل میں خیال کرنے لگے۔

ایسے وقت رگھوپتی نے آہستہ آہستہ آکر انکی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔ جے سنگھ چونک اٹھے۔ رگھوپتی انکے پاس بیٹھ گیا اور انکے منہ کیطرف دیکھ کر کانپتی ہوئی آواز میں بولا:۔ "میں تمہاری شکل ایسی کیوں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ جو تم آہستہ آہستہ میرے سے دور ہوتے جا رہے ہو؟

جے سنگھ نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن رگھوپتی درمیان میں ہی روک کر پھر کہنے لگا "کیا تمنے گھڑی بھر کیلئے بھی میری محبت میں جو مجھے تم سے ہے کبھی کمی دیکھی ہے۔ جے سنگھ میں نے تمہارا کیا کوئی قصور کیا ہے۔ اگر کیا بھی ہو تو میں تمہارا گورو ہوں میں تمہارے پتا کیطرح ہوں۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ مجھے معاف کرو۔

جے سنگھ چوٹ کھائے ہوئے انسان کیطرح بلبلا کر کانپ اٹھے اور گورو کے پاؤں پکڑ کر رونے لگے۔ وہ بولے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ کچھ نہیں سمجھتا۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

جے سنگھ کا ہاتھ پکڑ کر رگھوپتی بولا۔ بچہ! میں نے تمہارے بچپن سے ہی تمہیں ماتا پتا کیطرح محبت کر کے شاستروں کی تعلیم دی ہے۔ تمہارے پر یقین رکھ کر تمکو اپنی تمام باتوں میں ہمخیال بنایا ہے۔ آج تمکو میرے پاس سے کون کھینچے لیئے جا رہا ہے۔ اتنے دنوں کے محبت بھرے رشتے کو کون توڑ رہا ہے تمہارے اوپر جو میرا دیوتا کا دیا ہوا حق ہے اس مقدس حق میں کیسے

مداخلت کی ہے۔ بتاؤ پیارے۔ اس دوزخی کا نام بتاؤ
جے سنگھ نے کہا۔ پربھو! آپکے پاس سے مجھے کوئی جدا نہیں کرتا۔ آپ نے ہی مجھ کو علیحدہ کر دیا ہے۔ میں گھر کے اندر پڑا تھا۔ آپ مجھے گھر سے کھینچکر راستے پر لے آئے ہیں۔ آپ نے کہا۔ کسکا کون باپ ہے۔ کسکی کون ماں اور کسکا کون بھائی ہے۔ آپ نے ہی کہا ہے دنیا میں کسی سے کوئی تعلق نہیں۔ محبت پریم کا پاکیزہ حق نہیں جسکو میں ماں سمجھتا تھا اسکو آپ نے طاقت بتایا ہے۔ جبجگہ ہنسا کیجاتی ہے۔ جس جگہ خون خرابہ ہوتا ہے۔ جبجگہ بھائی بھائی میں عداوت ہے۔ جسجگہ دو آدمی لڑتے ہیں اسی جگہ یہ پیاسی قدرت لہو پینے کی آرزو سے اپنا برتن لیکر کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہ کیا آپ نے ماتا کی گود سے مجھے علیحدہ کر کے راکھشسی کے راجیہ میں نہیں گرا دیا ہے؟
رگھوپتی بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔ آخر لمبی سانس لیکر بولا " تو تم آزاد ہوئے بندھن سے آزاد ہوئے۔ تمہارے سے متعلق جملہ حقوق کو میں نے ہٹا لیا۔ اسی سے اگر تم سکھی رہ سکو تو یہی سہی۔ یہ کہکر وہ اٹھنے لگا۔
جے سنگھ اسکا پاؤں پکڑ کر بولے: "نہیں نہیں! پربھو۔ آپ مجھے چھوڑ دینگے تو بھی میں آپکو نہ چھوڑ سکونگا۔ میں آپکے قدموں میں ہی رہونگا۔ آپ جو خواہش کرینگے وہی ہوگا۔ آپکے بتائے ہوئے راستے کے علاوہ میرے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں۔
جے سنگھ کو رگھوپتی نے گلے لگا لیا۔ اسکے آنسو بہہ بہہ کر جے سنگھ کے کندھوں پر گرنے لگے۔

۱۳

مندر میں بہت لوگ جمع ہوئے ہیں۔ خوب شور و غل ہو رہا ہے۔ رگھوپتی نے کرخت لہجہ میں کہا:۔ "تم لوگ کیا کرنے آئے ہو"

وہ لوگ جدا جدا آواز میں بولے:۔ "ہم لوگ بھونیشوری دیوی کے درشن کرنے آئے ہیں۔

رگھوپتی نے کہا:۔ "دیوی ہیں کہاں۔ وہ تو اس راجیہ سے چلی گئیں۔ تم لوگ دیوی کو کہاں رکھ سکے۔ وہ چلی گئیں گئیں"

بہت جھگڑا ہوا۔ چاروں طرف سے طرح طرح کی باتیں سنائی دینے لگیں۔

پجاری جی!۔ آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

"ہم لوگوں نے کونسا قصور کیا ہے"؟

"ماں اب کسی طرح خوش نہ ہونگی کیا؟"

میرا بھتیجہ بیمار تھا۔ میں ایکدن بھی پوجا کرنے نہیں آیا (اسکو پورا اطمینان ہوا کہ میری بیعزتی برداشت نہ کرکے دیوی اس ملک میں نہیں رہنا چاہتی) میں نے دلمیں خیال کیا تھا کہ بھگوتی (دیوی) کو دو بکروں کی قربانی دونگا۔ زیادہ دور رہائش ہونیکی وجہ سے نہیں آسکا۔ دو بکروں کی قربانی دینے میں دیر ہونے سے راجیہ ایسا ناخوشگوار واقعہ ہوگیا"۔ ایک آدمی اپنے دلمیں یہ سوچکر بیچین ہو رہا تھا۔

گوردھن نے جو منت مانی تھی وہ اسنے پوری نہیں کی۔ دیوی نے بھی تو اسی لیئے اسکو اتنی تکلیف دی۔ اسکے پیٹ میں تلی بڑھکر توری کیطرح لٹک گئی ہے بیٹھنے سے چارپائی پر پڑا ہے۔ گوردھن اپنی تلی بڑھا کر بڑھاپے میں جائے۔ مگر دیوی

یہاں رہیں۔ اس شخص نے دل ہی دل میں اسطرح کی پرارتھنا کی۔ سب لوگ بدقسمت گوردھن کی ترقی کے خاص طور پر بڑھنے کی خواہش کرنے لگے۔

بھیڑ میں ایک لمبے ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ اُسنے سب کو دھکا کر ٹھہرایا اور ہاتھ جوڑ کر رگھوپتی سے پوچھا۔ "پوجاری جی! دیوی کیوں چلی گئیں؟ ہم لوگوں سے کیا قصور ہوا ہے؟"

رگھوپتی نے کہا: "تم لوگ دیوی کو ایک بوند لہو تک نہیں دے سکتے۔ یہی تم لوگوں کی بھگتی ہے؟"

سب لوگ چپ رہے۔ آخر پھر بات چیت شروع ہوئی۔ کوئی کوئی آہستہ آہستہ کہنے لگے "راجہ کی ممانعت ہے۔ ہم لوگ کیا کریں"

جے سنگھ پتھر کی مورتی کیطرح مستقل مزاجی سے بیٹھے تھے "دیوی کی ممانعت" یہ بات بجلی کی سی تیزی سے انکی زبان کے اگلے حصہ تک آچکی تھی مگر انہوں نے اپنے آپ کو روک لیا۔ وہ کچھ بھی نہ بولے۔

رگھوپتی تیز آواز میں بول اٹھا: "راجہ کون ہوتا ہے؟ دیوی کا تخت کیا راجہ کے تخت سے کم رہیگا۔ تب تم لوگ اس ماں سے خالی ملک میں راجہ کو ہی لیکر رہو۔ دیکھونگا تم لوگوں کی حفاظت کون کرتا ہے"

اس مجمع میں گنگنانے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ سبھی چوکنے ہوکر باتیں کرنے لگے۔

رگھوپتی کھڑا ہوکر بولا: "راجہ کو ہی تم لوگوں نے بڑا مانا اور ماں کو بیعزتی کر کے اپنے ملک سے وداع کر دیا۔ تم لوگ سکھ سے رہنا پسند نہیں کرتے۔ تین سال کے بعد دیکھنا اتنے بڑے دیش میں تم لوگوں کے رہنے کا نشان تک باقی نہ رہیگا۔ تم لوگوں کا دیش ضائع ہو جائیگا۔

انسانوں کے جسم غفیر میں سمندر کی لہروں کیطرح گنگنانے کی آواز آہستہ آہستہ صاف ہونے لگی۔ لوگوں کی تعداد بتدریج بڑھنے لگی۔ اس بڑے جسم والے انسان نے ہاتھ جوڑ کر پھر رگھوپتی سے کہا:۔" اولاد سے اگر کوئی قصور ہو جاتا ہے تو ماتا معاف کر کے اسے سمجھاتی ہے مگر اولاد کو ایکدم چھوڑ کر ماں کہیں چلی نہیں جا سکتی۔ پربھو! ایک بار بتا دیجئے؟ کیا کرنے سے ماں لوٹ آئینگی؟"

رگھوپتی نے کہا:۔" جب تم لوگوں کا یہ راجہ (گوبند مانکیہ) اس راجیہ سے علیحدہ ہو گا۔ تبھی ماں اس ملک میں پھر پاؤں رکھینگی۔

یہ بات سنکر تمام مجمع کی بھنبھناہٹ یکایک بند ہو گئی۔ چاروں طرف گہرا سناٹا چھا گیا۔ آخر لوگ آپس میں ایکدوسرے کا منہ تاکنے لگے۔ کسی کی ہمت نہ پڑی کہ کچھ کہہ سکے۔

رگھوپتی نے بادل کیطرح سنجیدہ لہجہ میں کہا۔ تو تم لوگ درشن کرو گے۔ آؤ! میرے ساتھ چلے آؤ۔ بہت دور سے طرح طرح کی امید کر کے تم لوگ بھگوتی کے درشن کرنے آئے ہو۔ چلو ایکدفعہ مندر میں چلو۔

سب لوگ ڈرتے ڈرتے مندر کے صحن میں آ کر جمع ہوئے۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔ رگھوپتی نے آہستہ آہستہ دروازہ کھول دیا۔ کچھ دیر تک تو کسی کے منہ سے بات بھی نہ نکلی۔ سب لوگ خاموش رہے تماشائیوں نے مورتی کی پیٹھ اپنی طرف دیکھی۔ ماں ناراض ہو گئی ہے۔ یکایک مجمع میں رونے چلانے کا شور ہونے لگا۔ "ماں! ایکدفعہ گھوم کر کھڑی ہو۔ ہم لوگوں نے کیا قصور کیا ہے" چاروں طرف سے "ماں کہاں گئی۔ ماں کہاں گئی" کا شور مچگیا۔

مورتی پتھر کی تھی وہ پھر سے کیسے؟ کتنے ہی آدمی بیہوش ہو کر گر پڑے۔ لڑکے نیچے کچھ نہ سمجھ کر رونے لگے۔ کتنے ہی بوڑھے بھیڑوں کے چھوٹے بچوں

کیطرح زور زور سے پکارنے لگے :۔ "اری میّا۔ اری میّا۔ ہمیں چھوڑ کر کہاں چلی گئی؟" عورتوں کے گھونگھٹ کھل گئے۔ آنچل کے کپڑے کھسک پڑے۔ سب بیچین ہو ہو کر چھاتی پیٹنے لگے۔ نوجوان اپنی اونچی آواز کو مدھم کر کے کہنے لگے :۔ ماں ! ہمکو ہم لوگ لوٹا لاوینگے۔ تمہیں نہ چھوڑ ینگے۔ ایک پاگل آدمی گانے لگا۔ مندر کے دروازے پر کھڑے ہو کر گویا سارا راجیہ ماں ماں کہکر رونے لگا۔ صرف دیوی کی مورتی ویسے ہی ناراض رہی۔ دوپہر کی دھوپ بہت سخت ہو گئی۔ بھوکے انسانوں کے جسم غضیر کی آوازیں بند نہ ہوئیں۔

تب جے سنگھ نے تھرتھراتے ہوئے پاؤں سے رگھوپتی کے پاس آکر کہا :۔

"پربھو! کیا میں ایک بات بھی نہ کہنے پاؤنگا؟"

رگھوپتی نے انگلی اٹھا کر کہا "نہیں۔ ایک بات بھی نہیں۔"

جے سنگھ نے کہا :۔ "کیا اسمیں شک کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔"

رگھوپتی نے زور سے کہا :۔ "نہیں؟"

جے سنگھ زور سے مٹھی باندھکر بولے :۔ "کیا سبھی یقین کر ینگے"

رگھوپتی نے اپنی تیز نظر سے گویا جے سنگھ کو جلاتے ہوئے کہا :۔ ہاں!

جے سنگھ اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر بولے :۔ "میرا کلیجہ پھٹا جا رہا ہے" اتنا کہکر وہ اس بھیڑ میں سے نکلکر باہر چلے گئے۔

۱۴

آج اساڑھ کے شکل پکش کی چتردشی ہے۔ آج ہی رات کو چودہ دیوتاؤں کی پوجا ہوگی۔ آج صبح تال بن کی آڑ میں جب سورج طلوع ہو رہا تھا تب مشرق میں بادل نہ تھے۔ سورج کی سنہری کرنوں سے پُر نور، و پُر حسرت باغ میں جاکر جب جے سنگھ بیٹھے تب انکو اپنی سبھی پرانی باتیں یاد آنے لگیں۔ اس باغ میں، اس پتھر کے بنے ہوئے مندر کی پتھریلی سیڑھیوں کے درمیان، گومتی ندی کے کنارے۔ اس پھیلے ہوئے درخت کے سایہ میں۔ اس سایہ سے گھرے ہوئے تالاب کی دھار میں اپنے بچپن کا وقت ایک میٹھے خواب کیطرح نظر آنے لگا۔ جو دلپہر جادو کرنے والے خوبصورت نظارے انکے بچپن کو محبت اور مسرت سے بھرپور کر دیتے تھے وہ آج سب ہنس رہے ہیں۔ اور انکو پھر اپنے پاس بلا رہے ہیں۔ مگر انکی روح جواب دے رہی ہے۔ میں سیاحت کرکے واپس آیا ہوں۔ میں وداع ہو چکا ہوں۔ میں اب نہ لوٹونگا۔ چمکیلے پتھر کے مندر پر سورج کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور اسکی بائیں طرف دیوار پر مولسری کی ہلتی ہوئی شاخوں کا شوخ سایہ ناچ رہا ہے۔ بچپن میں اس پتھر کے مندر کو وہ جسطرح زندہ جانتے تھے اور ان سیڑھیوں کے درمیان بیٹھ کر جب کھیلتے تھے تب وہ ان سیڑھیوں کو جسطرح ساتھی سمجھتے تھے اسی طرح آج صبح سورج کی کرنوں میں مندر کو زندہ اور ان سیڑھیوں کو بھی اسی طرح ساتھی مان کر بچپن کی نظروں سے دیکھنے لگے مندر کے اندر دیوی کو آج پھر ماں کہکر پکارنے کی خواہش ہونے لگی۔ لیکن نفرت کے مارے انکا دل بھر آیا۔ انکی آنکھوں سے آنسو اُمڈ کر بہہ چلے۔

رگھوپتی کو آتے دیکھ کر جے سنگھ نے آنسو پونچھ ڈالے۔ وہ گورو کو پرنام

کر کے کھڑے ہو گئے۔

رگھوپتی نے کہا:۔"آج پوجا کا دن ہے۔ دیوی کے قدم چھو کر کیا قسم کھائی تھی۔ یاد ہے؟"

جے سنگھ:۔"یاد ہے؟"

رگھوپتی:۔"قسم کو پورا کرو گے"

جے سنگھ:۔"ہاں!"

رگھوپتی:۔"دیکھنا بیٹا۔ ہوشیاری سے کام کرنا۔ جان پر آفت آنے کا ڈر ہے۔ میں نے تمہاری حفاظت کا خیال کر کے ہی راجہ کے خلاف پرجا کو بھڑکا دیا ہے۔

جے سنگھ چپ ہو کر رگھوپتی کے منہ کیطرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے کچھ بھی جواب نہ دیا۔ رگھوپتی انکے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ میری دعا سے تم اپنے کام کو بغیر کسی خلل کے ختم کر سکو گے اور دیوی کے ارشاد کی تعمیل بھی کر سکو گے.....

رگھوپتی چلا گیا

دن کے تیسرے پہر راجہ ایک کمرے میں بیٹھے دھرو کیساتھ دل بہلا رہے ہیں۔ دھرو کے حکم کے مطابق ایک دفعہ سر سے تاج اتارتے ہیں اور پھر ایک دفعہ پہنتے ہیں۔ مہاراج کے اس تکلیف دہ فعل کو دیکھ کر دھرو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوا جاتا ہے۔ راجہ مسکرا کر بولے:۔" میں مشق کر رہا ہوں جنکے حکم سے یہ مکٹ آسانی سے پہن سکتا ہوں۔ انکے حکم سے اسے آسانی سے اتار بھی سکوں۔ تاج کا پہننا مشکل ہے۔ مگر اسکا اتارنا اور بھی مشکل ہے۔

دھرو کے دل میں ایک جذبہ پیدا ہوا۔ کچھ دیر کے بعد راجہ کیطرف دیکھ کر اور اپنے منہ میں انگلی ڈالکر وہ بولا:۔"تم لاجا ہو"۔ راجہ لفظ کے "ر" حرف

کو اڑا کر بھی دھرو کے دلمیں ذرا سا افسوس نہ ہوا۔ راجہ کے منہ کے سامنے انکو "لاجا" کہکر اسنے اپنے دلمیں مکمل طور سے آنند پایا۔

دھرو کی اس سینہ زوری کو نہ سہہ کرکے راجہ بولے :۔"تم لاجا!...... دھرو! تم لاجا"

اس بحث مباحثہ کا خاتمہ نہ ہوا۔ کسی طرف کوئی دلیل نہیں۔ صرف جسمانی طاقت کے اوپر بحث چل رہی تھی۔ آخر راجہ نے اپنا تاج لیکر دھرو کے ماتھے پر رکھدیا۔ تب تو دھرو کو کچھ اور کہنے کیلئے جگہ نہ رہی۔

دھرو کی مکمل طور پر شکست ہوئی۔ اسکے منہ کا آدھا حصہ اس تاج کے نیچے چھپ گیا۔ اسنے اپنی تاج والی پیشانی کو ہلاکر بغیر تاج راجہ کو حکمدیا :۔"کوئی کہانی کہو"

راجہ :۔"کون کہانی کہوں"

دھرو :۔"بہن والی کہانی کہو"

دھرو صرف کہانی کو بہن والی کہانی ہی سمجھتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ بہن جو کہانیاں سناتی تھی انکے علاوہ دنیا میں اور کوئی کہانی نہیں ہے"

تب راجہ نے پوران کی ایک لمبی کہانی کہنی شروع کی۔ وہ کہنے لگے "ہرنکشیپ نام کا ایک راجہ تھا"

راجہ کا نام سنکر دھرو بول اٹھا "لاجا میں ہوں"

اپنے ڈھیلے ڈھالے بڑے تاج کے زور سے ہرنکشیپ کی سلطنت کو اسنے ایک دفعہ نامنظور کیا۔

خوشامدی درباریوں کیطرح گوبند مانکیہ اس تاج پہنے ہوئے بچے کو خوش کرنے کے لئے بولے :۔"تم بھی لاجا... اور میں بھی لاجا"

دھرو نے صاف طور سے بیباکی کا اظہار کرتے ہوئے کہا :۔"نہیں۔ میں

ہی لاجا"
آخر جب مہاراج ۔نے کہا کہ ہرنکشیپ لاجا نہیں تھا۔ وہ لاکس (راکھش) تھا
تب دھرو نے اسمیں کوئی دخل نہ دیا۔
اسی وقت نکشتر رائے اس کمرے میں آئے اور بولے:۔ سُنا ہے ۔ کہ
مہاراج نے کسی سرکاری کام ۔سے مجھے بلایا ہے۔ میں آپکے حکم کا منتظر ہوں
راجہ نے کہا:۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اس قصہ کو ختم کر لوں۔
راجہ نے تھوڑی دیر میں ہی ساری کہانی ختم کردی "لاکس" (راکھشس)
وشٹ تھا۔ اسطرح دھرو نے کہانی سنکر مختصراً اپنی رائے کا اظہار کیا۔
دھرو کی پیشانی پر تاج دیکھ کر نکشتر رائے غصہ ۔سے جل اٹھے۔ دھرو
۔نے جب دیکھا کہ نکشتر رائے کی نظر اسکی طرف لگی ہوئی ہے تب اسنے نکشتر رائے
کو اعلانیہ بتا دیا "میں لاجا ہوں"
نکشتر رائے نے کہا:۔" چھی! کوئی ایسی بات کہتا ہے۔
اب نکشتر رائے دھرو کے ماتھے ۔سے تاج اتار کر راجہ کے ہاتھ میں دینے
کو تیار ہوئے۔ تاج چھن جانے کا امکان دیکھ کر دھرو پیچھے راجہ کیطرح چلا اٹھا گوبند
مانکیہ نے اسکو اس آئی ہوئی آفت سے بچا لیا۔ انھوں نے نکشتر رائے کو تاج نہ
اتارنے دیا۔
اب گوبند مانکیہ نے نکشتر رائے سے کہا" سنا ہے۔ رگھوپتی ٹھاکروں میں
(رعایا کا ایک حصہ) بیچینی بڑھا رہا ہے۔ تم خود شہر میں جاکر اس بات کی
تحقیقات کرو اور مجھے اطلاع دو کہ یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔
"جو حکم" کہکر نکشتر رائے چلے گئے۔ چلے تو گئے مگر دھرو کے ماتھے کا تاج
انہیں ذرا بھی اچھا نہ لگا۔

دربان نے آکر اطلاع کی :- پوجاری جی کے نوکر جے سنگھ حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے باہر کھڑے ہیں۔

راجہ :- "آنے دو"

مہاراجہ کو پرنام کرکے جے سنگھ ہاتھ جوڑ کر بولے :- مہاراج - میں بہت دور جانیکی تیاری کر رہا ہوں - آپ میرے راجہ ہیں - میرے گورو ہیں - آپ سے دعا لینے آیا ہوں "

راجہ نے پوچھا :- "جے سنگھ کہاں جاؤ گے "

جے سنگھ نے کہا :- مہاراج مجھے معلوم نہیں میں کہاں جاؤنگا اور کوئی بھی نہیں کہہ سکتا۔

راجہ کو کچھ کہنے کیلئے تیار دیکھ کر جے سنگھ بولے :- مہاراج آپ روکاوٹ نہ ڈالیں - آپکے روکاوٹ ڈالنے سے میری سیاحت کامیاب نہ ہوگی۔ دعا دیجئے کہ یہاں میرے جو شکوک تھے وہ سب دور ہوجائیں - یہاں میرے ادپر جو ایک طرح کا بادل چھایا ہوا تھا وہ پھٹ جائے - آپ کے مقابل راجہ کے راجیہ میں پہنچ جاؤں اور شانتی سکھ پاؤں۔

راجہ نے پوچھا :- "کب جاؤ گے ؟"

جے سنگھ نے کہا :- آج شام کو - مہاراج وقت زیادہ نہیں ہے - اس لئے میں اب آپ سے وداع ہوتا ہوں "

جے سنگھ نے راجہ کو پرنام کرکے انکے قدموں کی خاک پیشانی پر لگائی ؛ راجہ کے پاؤں پر جے سنگھ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

جے سنگھ جب جانے کیلئے تیار ہوئے تو دھرو نے آہستہ آہستہ ان کے پاس جاکر اور انکے کپڑے کو کھینچکر کہا :- "تم مت جاؤ"

جے سنگھ ہنسکر کھڑے ہو گئے۔ دھرو کو گود میں اٹھا کر اور اسکے منہ کو چوم کر بولے:۔ میں کسکے پاس رہونگا؟ ـــ میرے کون ہے؟

دھرو نے کہا:۔" میں لا جا ہوں"

جے سنگھ نے کہا:۔ تم راجہ کے بھی راجہ ہو۔ تمنے اپنے پریم میں سب کو ہی الجھا رکھا ہے۔

دھرو کو گود سے اتار کر جے سنگھ کمرے سے باہر ہو گئے۔ مہاراج سنجیدگی سے بہت دیر تک کچھ سوچتے رہے۔

۱۵

آج چترد شی (چودھویں) تتھی (تاریخ) ہے۔ بادل گھر آئے ہیں۔ ماہتاب طلوع ہو گیا ہے۔ آسمان میں کہیں روشنی اور کہیں اندھیرا ہے چاند کبھی باہر نکلتا ہے کبھی بادلوں میں چھپ جاتا ہے۔ گومتی کے کنارے کے جنگل چاند کی طرف دیکھ کر اپنی گہری تاریکی کے درمیان لمبی لمبی سانس لے رہے ہیں۔

آج رات لوگوں کو گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔ رات کو راستہ میں چلتا ہی کون ہے۔ مگر آج روکاوٹ ہے۔ اسلئے راستے بالکل سنسان معلوم ہوتے ہیں۔ شہریوں نے اپنے اپنے گھروں کے چراغ بجھا کر دروازے بند کر دیئے ہیں۔ راستے میں ایک بھی چوکیدار نہیں۔ آج چور بھی گھر سے باہر نہیں نکلتے۔ جنکو لاش جلانے کے لئے شمشان گھاٹ جانا ہے۔ وہ بھی مُردے کو گھر میں رکھے صبح ہونیکی انتظار کر رہے ہیں۔ جنکے گھر میں لڑکا بستر مرگ

پر ہے وہ بھی حکیم وید کو بلانے کیلئے آج باہر نہیں جا سکتے۔ اور دن جو فقیر راستے میں درخت کے نیچے سوتے تھے وہ آج کنبہ داروں کے پاس ہی آکر ٹھہرے ہیں۔

اس سناٹے کی رات میں گیدڑ اور کتے شہر کے راستوں پر اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں۔ وہ ایک چیتے کنبہ داروں کے دروازے کے پاس آکر جھانک رہے ہیں انسانوں میں صرف ایک ہستی آج گھر کے باہر ہے اور کوئی نہیں۔ وہ ایک چھری کو ندی کے کنارے پتھر پر تیز کر رہا ہے اور بیدلی سے کچھ سوچ رہا ہے چھری کند تھی۔ چھری کو تیز کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنے دلی خیالات کو بھی تیز کرتا جاتا تھا۔ اسی لئے چھری تیز کرنے کا کام ختم ہونے میں نہ آتا تھا۔ پتھر کی رگڑ کھا کر وہ تیز چھری "گھس گھس" کی آواز پیدا کر رہی تھی اور قتل و ظلم کی خواہش سے گرم ہو اٹھی تھی۔ اندھیرے کے درمیان اندھیرے کی دھار بہی جا رہی تھی۔ دنیا پر سے تاریک رات کا پردہ اٹھا جا رہا تھا اور اوپر آسمان میں گھرے سیاہ بادلوں کا دریا چلا جا رہا تھا آخر جب موسلا دھار مینہ برسنا شروع ہوا تب جے سنگھ کو ہوش آیا۔ وہ اس گرم چھری کو نیام کے اندر رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ پوجا کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ انکو اپنے عہد کی بات یاد آگئی۔ اب ایک لمحہ بھی دیر کرنے سے کام نہ چلیگا۔

چراغاں سے آج مندر جگمگا اُٹھا ہے۔ تیرہ دیوتاؤں کے درمیان میں دیوی کھڑی ہوکر انسانی خون کیلئے زبان لپلپا رہی ہے۔ مندر کے دیگر کارکناں کو وداع کرکے چودہ دیوتاؤں کی مورتیوں کے سامنے .... رگھوپتی اکیلا بیٹھا ہے۔ اسکے آگے ایک بہت بڑی تلوار رکھی ہوئی ہے۔ وہ بید چمکیلی تلوار چراغوں کی روشنی میں نور برساتی ہوئی دیوی کے حکم کی تعمیل کرنے کی منتظر تھی۔

آدھی رات کیوقت پوجا ہوگی۔ وقت قریب ہے۔ رگھوپتی بہت

بےچین دل سے جے سنگھ کے آنے کی آہٹ سننے کے انتظار میں ہیں۔

یکایک زور سے ہوا چلنے لگی۔موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ ہوا کے جھونکوں سے مندر کے تمام چراغوں کی شعاعیں ناچنے لگیں۔ ننگی تلوار کے اوپر بجلی کھیلنے لگی۔ چودہ دیوتاؤں کی اور رگھوپتی کا سایہ گویا زندہ انسان کیطرح ناچتا ہوا چراغوں کی شعاعوں کی تال تال پر مندر کی دیواروں پر ناچنے لگا۔ ایک مردہ انسان کی کھوپڑی تیز ہوا کے جھونکے سے گھر کے اندر لڑھکنے لگی۔ خشک پتوں کیطرح دو چمگادڑ مندر کے اندر آ کر یکایک اڑ کر گھومنے لگے دیواروں پر انکا سایہ اڑنے لگا۔

آدھی رات کا وقت آ پہنچا۔ پہلے نزدیک ہی۔ پھر کچھ دور اور تب اس سے بھی کچھ فاصلہ پر گیدڑ بول اٹھے۔ ہوا بھی انکے ساتھ "ہُو ہُو" کر کے رونے لگی۔ پوجا کا وقت ہو گیا۔ رگھوپتی میرے انجام کے ڈر سے گھبرا گیا۔

ایسے وقت جے سنگھ نے بجلی کیطرح آدھی رات کے اندھیرے سے نکلکر مندر کی روشنی میں پاؤں رکھا۔ لمبی چادر سے جسم ڈھکا ہوا ہے۔ تمام جسم سے بارش کا پانی بہا جا رہا ہے۔ سانس تیزی سے چل رہا ہے۔ آنکھوں کی پتلیوں سے گویا آگ کی چنگاریاں نکل رہی ہیں۔

رگھوپتی نے جے سنگھ کو پکڑ کر کان کے پاس منہ لیجا کر پوچھا: "راجہ کا خون لے آئے ؟"

جے سنگھ اسکا ہاتھ ہٹا کر زور سے بولے: "لایا ہوں۔ راجہ کا خون لایا ہوں آپ دور کھڑے ہوں۔ میں دیوی سے پرارتھنا کرتا ہوں" انکے ان الفاظ سے گویا مندر کانپ اٹھا۔ کالی دیوی کی مورتی کے سامنے کھڑے ہو کر وہ کہنے لگے: "جگدمبے! تو کیا سچ مچ ہی اپنی اولاد کا خون چاہتی ہو؟ راجہ کا خون نہ ملے تو کیا تمہاری پیاس نہ بجھیگی؟ میں جنم سے تمہیں کو ماں کر کے مانتا آیا ہوں۔ میں اور کسی کی پچھ

پرواہ نہیں رکھتا تھا۔میری زندگی کا کوئی دوسرا مقصد بھی نہ تھا۔میری والدہ سے آبا و اجداد کی اولاد ابتک حکومت کر رہی ہے۔تب میری اولاد کا خون یہی ہے نا تیرا راجہ کا خون یہی ہے نا!۔چادر جسم پر سے اتر گئی۔کمر بند سے چھری نکالی۔گویا بجلی چمک اٹھی۔ایک ہی پل میں اس چھری کو انہوں نے اپنی چھاتی میں بھونک لیا۔موت کے سخت دانت انکے کلیجے میں گڑ گئے۔وہ پچھاڑ کھا کر مورتی کے پاؤں کے قریب گر پڑے۔پتھر کی مورتی ذرا بھی نہ ہلی۔

رگھوپتی چلا اٹھا۔اس نے جے سنگھ کو اٹھانے کی کوشش کی مگر وہ نہیں اٹھ سکا۔ آخر وہ انکی لاش پر گر پڑا۔خون نکل نکلکر مندر کے صاف پتھر پر بہنے لگا ایک ایک کر کے تمام چراغ بجھ گئے۔اس اندھیرے میں ساری رات ایک ذی روح کے سانس لینے کی آواز سنائی دیتی رہی۔رات کے تیسرے پہر ہوا تھمی چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ رات کے پچھلے پہر بادل کے سوراخ سے ماہتاب کی روشنی مندر کے اندر داخل ہوئی۔چاند کی کرن جے سنگھ کے لال چمکدار منہ پر پڑی۔تمام دیوتا سرہانے کیطرف کھڑے ہو کر یہی دیکھنے لگے۔صبح جب جنگل میں چڑیاں چہچہا اٹھیں تب رگھوپتی جے سنگھ کے مردہ جسم کو چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

١٦

راجہ کے حکم کے مطابق رعایا کی ناراضگی کا سبب دریافت کرنے کے لئے خود نکشتر رائے صبح باہر نکلے۔انکے دل میں یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ میں مندر میں کیا کرنے جاؤں۔رگھوپتی کے سامنے پڑ جانے سے وہ ایک طرح جھجکل

ہو پڑتے تھے اور کسی طرح اپنے آپ کو روک نہ سکتے تھے۔ رگھوپتی کے سامنے ہونے کی انکی بالکل خواہش نہ تھی اسلئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ رگھوپتی کی نظر بچا کر۔ خفیہ طریقہ سے۔ جے سنگھ کے پاس جاؤں۔ اسکے ذریعہ سب باتیں اچھی طرح معلوم ہو جائینگی۔

نکشتر رائے آہستہ آہستہ جے سنگھ کی کوٹھڑی میں پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی سوچا کہ لوٹ جانے میں ہی خیریت ہے۔ دیکھا کہ جے سنگھ کی کتابیں، اسکے کپڑے اور گھریلو اشیا چاروں طرف ادہر ادہر بکھری پڑی ہیں۔ درمیان میں رگھوپتی بیٹھا ہے۔ جے سنگھ کا پتہ نہیں۔ رگھوپتی کی لال لال آنکھیں انگاروں کیطرح جل رہی ہیں سر کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ نکشتر رائے کو دیکھتے ہی خوب زور سے مٹھی کس کر رگھوپتی نے انکا ہاتھ پکڑا اور انکو زبردستی زمین پر بٹھا لیا۔ نکشتر رائے کے ہوش اڑ گئے۔ رگھوپتی اپنی لال لال آنکھوں سے انکے اعضا اور دل تک کو جلاتا ہوا پاگل کیطرح بولا:۔ خون کہاں ہے؟

نکشتر رائے کے دلمیں گویا خون کی ترنگیں اچھلنے لگیں۔ دل دھڑکنے لگا۔ منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔

رگھوپتی نے اونچی آواز میں کہا:۔ تمہارا عہد کہاں گیا؟ خون کہاں ہے؟

نکشتر رائے ہاتھ پاؤں ہلانے لگے۔ بائیں طرف ہٹ کر بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے کا سرا ہاتھ میں لیکر کھینچنے لگے۔ انکے جسم سے پسینہ بہنے لگا۔ وہ خشک منہ سے بولے "پروہت جی!"

رگھوپتی نے کہا:۔ اسدفعہ دیوی نے خود تلوار اٹھائی ہے۔ اسدفعہ چاروں طرف خون کی دھارا بہنے لگیگی۔ اسدفعہ تم لوگوں کے خاندان میں ایک بوند خون تو بچیگا ہی نہیں۔ تب میں نکشتر رائے کی برادرانہ محبت دیکھونگا۔

براورانہ محبت! ہاں! ۔ ہاں! ۔۔ ہاں! اسطرح پہلے کی سی ہنسی نکشتر رائے کے منہ سے نہ نکلی۔ انکا گلا خشک ہو گیا۔

رگھوپتی نے کہا۔ میں گوبند مانکیہ کا خون نہیں چاہتا۔ اس دنیا میں گوبند مانکیہ کو جو جان سے بھی زیادہ عزیز ہے میں اسی کا خون چاہتا ہوں۔ اسکا خون لیکر میں گوبند مانکیہ کے جسم پر لگانا چاہتا ہوں۔ اسکی چھاتی لال ہو جائیگی۔ اس خون کا داغ کسی طرح نہ ڈھلیگا۔ یہ دیکھو! آنکھیں کھولکر دیکھو۔

اب رگھوپتی نے چادر ہٹا دی۔ اسکے سارے جسم میں خون لگا ہوا ہے اسکی چھاتی کے درمیان کہیں کہیں گاڑھا خون جم گیا ہے۔

نکشتر رائے سہم گئے۔ انکے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ پتھر کیطرح سخت مٹھی سے نکشتر رائے کا ہاتھ دبا کر رگھوپتی بولا:۔ وہ کون ہے؟۔ گوبند مانکیہ کو جان سے بھی زیادہ عزیز کون ہے؟ کسکے نہ رہنے سے گوبند مانکیہ کی آنکھوں میں یہ دنیا شمشان کیطرح ہو جائیگی؟ اور ان کی زندگی کا مقصد ختم ہو جائیگا؟ صبح پلنگ سے اٹھکر کسکا منہ انہیں یاد آتا ہے۔ کسکی یاد کرتے ہوئے وہ سونے جاتے ہیں۔ انکے دل کے مندر میں مکمل طور پر سما کر کون مقیم ہے؟ وہ کون ہے کیا وہ تم نہیں ہو؟۔

اب رگھوپتی نے نکشتر رائے کیطرف اسطرح دیکھا جیسے چوٹ کرنے کے پہلے شیر، ڈر سے کانپتے ہوئے۔ ہرن کے بچے کیطرف ایک نظر سے دیکھتا ہے۔

نکشتر رائے جھٹ پٹ بول اٹھے "نہیں وہ میں نہیں وہ میں نہیں ہوں"

مگر رگھوپتی کی مٹھی کو وہ چھڑا نہیں سکے۔

رگھوپتی :۔ "تو بتاؤ۔ وہ کون ہے "

نکشتر :۔ "وہ دھرو ہے "

رگھوپتی :۔ "کون دھرو؟"

نکشتر :۔ وہ ایک لڑکا۔

رگھوپتی بولا :۔ میں جانتا ہوں۔ اسے جانتا ہوں۔ راجہ کی وہ اپنی اولاد نہیں ہے۔ وہ صرف اولاد کیطرح اسکی پرورش کرتے ہیں۔ لوگ اپنی اولاد کو کسطرح پیار کرتے ہیں یہ میں جانتا ہوں۔ اپنی ساری دولت کے مقابلے میں راجہ اسکے آرام کو ہی خاص طور پر اہمیت دیتے ہیں۔ اپنے ماتھے پر تاج رکھنے کی جگہ اسکے ماتھے پر تاج دیکھ کر راجہ کو بہت خوشی ہوتی ہے۔

نکشتر رائے حیران ہوکر بول اٹھے "ٹھیک ہے؟"

رگھوپتی :۔ ٹھیک نہیں تو کیا ہے؟۔ راجہ اسے کس درجہ تک پیار کرتے ہیں کیا میں یہ نہیں جانتا۔ اسے کیا میں سمجھ نہیں سکتا ہوں۔ میں بھی اسی کو چاہتا ہوں۔

نکشتر رائے منہ پھیلا کر رگھوپتی کیطرف دیکھنے اور دلمیں کہنے لگے :۔

"میں بھی اسی کو چاہتا ہوں"

رگھوپتی نے کہا :۔ "اسکو لانا ہی ہوگا۔ آج ہی لانا ہوگا۔ آج رات میں ہی اسے لانا چاہیئے"

نکشتر رائے گویا ایک آواز ہوکر بولے :۔ آج رات میں ہی اسے لانا چاہیئے "

نکشتر رائے کے چہرے کیطرف کچھ دیر تک دیکھ کر رگھوپتی آواز مدھم کرکے بولا :۔ یہی لڑکا تمہارا دشمن ہے۔ کیا تم اسے جانتے ہو؟ تم

شاہی خاندان میں پیدا ہوئے ہو۔ کہاں کا ایک نامعلوم کسی خاندان کا بچہ تمہارے سر کا تاج چھیننے کے لئے آیا ہے کیا یہ تم سمجھتے ہو؟۔ جو شاہی تخت تمہارے لئے مخصوص تھا۔ اس تخت پر اسکے لئے جگہ مقرر ہو چکی ہے۔۔ آنکھیں رہتے بھی کیا یہ تمہیں نہیں دکھائی دیتا؟

نکشتر رائے کے لئے یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔ انہوں نے بھی پہلے اسطرح سوچا تھا۔ زور دیکر بولے :۔ "آپکو اور کچھ نہیں کہنا ہو گا۔ میں کیا یہ نہیں جانتا"

رگھوپتی نے کہا :۔ "تو پھر اسکو سے آؤ۔ تمہارے تخت کا کانٹا دور کر دوں۔ دن کے ان کئی پہروں کو کسطرح گذار کر تم اسے کس وقت لاؤ گے؟"

نکشتر رائے :۔ آج شام کیوقت۔ اندھیرا ہو جانے پر۔

رگھوپتی یگیوپویت چھو کر بولا :۔ "جو تم لا سکو گے تو برہمن کی بددعا لگیگی۔ منہ سے عہد کر کے اسے پورا نہ کرو گے تو پھر سمجھ لو کہ تین دن کے اندر ہی اندر تمہارے منہ کا گوشت گدھ نوچ نوچکر کھائینگے۔

یہ سنکر نکشتر رائے نے چونک کر اپنے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ نرم نرم منہ پر گدھ کے چونچ سے کاٹنے کا خیال انہیں ناقابل برداشت معلوم ہونے لگا۔ رگھوپتی کو پرنام کر کے وہ جھٹ پٹ وہاں سے چلے گئے۔ اس گھر سے نکلکر کھلی ہوا۔ روشنی اور انسانوں کے درمیان پہنچکر نکشتر رائے نے گویا دوبارہ زندگی حاصل کی۔

۱۷

اسدن شام کیوقت نکشتر رائے کو دیکھ کر دھرو "کاکا" کہکر دوڑ پڑا۔ دو نو چھوٹے ہاتھوں سے انکے گلے میں لپٹ کر اسنے انکے گال پر گال اور منہ کے پاس منہ رکھا اور آہستہ سے کہا: "کاکا"

نکشتر رائے نے کہا:۔ چپ چپ!۔ یہ بات مت کہو۔ میں تمہارا کاکا نہیں ہوں۔

دھرو ابتک انہیں برابر کاکا ہی کہتا تھا۔ آج دفعتہً یہ بات سنکر وہ اچنبھے میں پڑ گیا۔ کچھ دیر تک وہ چپ رہا۔ پھر بعد میں نکشتر رائے کے منہ کیطرف دیکھ کر پوچھا: "تب تم میرے کیا لگتے ہو"

نکشتر رائے نے کہا: "میں تمہارا کاکا نہیں لگتا"

یہ سنکر دھرو کو یکایک بڑی ہنسی آئی۔ اتنی بڑی ناممکن بات اس سے پہلے اسنے اور کبھی نہیں سنی تھی۔ وہ ہنسکر بولا۔ تم کاکا لگتے ہو۔

نکشتر رائے جتنا ہی اسے روکنے لگے اتنا ہی وہ کہنے لگا: "تم کاکا ہو" اسکی ہنسی بھی بتدریج بڑھنے لگی۔ وہ نکشتر رائے کو کاکا کہکر گویا چڑانے لگا۔ نکشتر رائے نے کہا: "دھرو۔ تم اپنی بہن کو دیکھنے جاؤ گے"

دھرو جھٹ پٹ نکشتر رائے کا گلا چھوڑ کر بولا: "بہن کہاں ہے"

نکشتر: "دیوی کے پاس!"

دھرو:۔ دیوی کہاں ہے؟"

نکشتر۔ دیوی ایک جگہ ہے۔ میں تمہیں وہاں پہنچا سکتا ہوں۔

دھرو نے تالی بجا کر پوچھا۔ تو کاکا کب سے چلوگے ؟
نکشتر:۔ ابھی !۔
دھرو خوشی کے مارے چلا کر نکشتر رائے کے گلے سے لپٹ گیا۔
نکشتر رائے اسکو گود میں لیکر اوڑھ چادر ڈھک کر خفیہ دروازے سے باہر نکل آیا۔

آج رات کو بھی لوگوں کو باہر نکلنے کی ممانعت ہے۔ اسی لئے راستے میں کوئی پہرے دار نہیں۔ کوئی مسافر نہیں۔ آسمان میں ماہتاب چمک رہا ہے۔ نکشتر رائے مندر میں جا کر دھرو کو رگھوپتی کے ہاتھ سونپنے کو تیار ہوئے۔ اس کو دیکھ کر دھرو نکشتر رائے سے زور سے لپٹ گیا۔ رگھوپتی نے اسے زبردستی گود سے اتار دیا۔ کاکا" کہکر دھرو رونے لگا۔ نکشتر رائے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر رگھوپتی کے آگے اپنے دل کی کمزوری دکھلاتے ہوئے انہیں شرم محسوس ہوئی۔ انہوں نے گویا سوانگ بھر لیا کہ وہ پتھر کے ہیں۔ تب دھرو رو رو کر۔ بہن بہن کہکر پکارنے لگا۔ بہن اسکی تھی کہاں جو آوے۔ رگھوپتی نے پتھر کیطرح سخت آواز میں اسے ایک دفعہ جھڑک دیا۔ اس سے دھرو کا رونا بند ہو گیا صرف رہ رہ کر وہ ہچکی لینے لگا۔ تمام دیوتا دیکھتے رہے گوبند مانکیہ آدھی رات کیوقت، خواب کی حالت میں، رونے کی آواز سنکر جاگ اٹھے۔ انہوں نے یکایک سنا۔ انکے جھرو کے پیچھے سے کوئی بھینی میں انہیں پکار رہا ہے ۔

"مہاراج !۔ مہاراج"

راجہ نے جلدی سے اٹھ کر چاند کی روشنی میں دھرو کے چچا کیدار کیشو کو دیکھ کر پوچھا۔ کیوں ! کیا ہوا ؟۔
کیدار کیشو:۔ مہاراج میرا دھرو کہاں ہے ؟۔

راجہ ۔ کیوں! کیا اپنی چارپائی پر نہیں؟

کیدار کیشو کہنے لگا ۔ نہیں! جب میں نے تیسرے پہر دھرو کو یہاں نہ دیکھا تب کھوج کرنے پر نکشتر راج کے نوکر نے مجھ سے کہا کہ دھرو محل کے اندر یوراج کے پاس رہے یہ سنکر میں بےفکر ہو گیا ۔ رات زیادہ گذرتی دیکھ میرے دل میں شک پیدا ہوا ۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یوراج اپنے کمرے میں نہیں ہے ۔ مہاراج کے پاس آنے کے لئے میں نے بہت منت سماجت کی مگر دربان نے میری ایک نہ سنی ۔ اسی لئے میں نے کھڑکی کے نیچے سے مہاراج کو پکار کر جگایا ہے ۔ میرا قصور معاف کیا جائے ۔ راجہ کے دل میں بجلی کی طرح ایک خیال چمک اٹھا ۔ انہوں نے چار پہرہ داروں کو بلا کر کہا کہ مسلح ہو کر میرے ساتھ چلو ۔ ایک نے کہا ۔ مہاراج ۔ آج رات کو سڑک پر چلنا منع ہے ۔

راجہ نے کہا ۔ میں حکم دے رہا ہوں ۔

کیدار کیشو ساتھ جانے کو تیار ہوئے ۔ مگر راجہ نے انہیں واپس بھیج دیا ۔ آپ اس سنسان راستے سے چاندنی میں مندر کی طرف چلے ۔

مندر کا پھاٹک جب دفعتہً کھل گیا تب دیکھا کہ سامنے تلوار رکھے نکشتر اور رگھوپتی دونوں شراب نوشی کر رہے ہیں ۔ روشنی تیز نہیں ہے ۔ ایک معمولی چراغ جل رہا ہے دھرو کہاں ہے؟ وہ کالی دیوی کی مورتی کے پاس بلند پیشانی کیے سو رہا ہے ۔ اسکے گالوں پر آنسو بہنے کا داغ خشک ہو گیا ہے اسکا نیچے کا ہونٹ کھلا ہوا ہے ۔ چہرہ پر خوف کا کوئی نشان نہیں ہے ۔ کچھ فکر نہیں ہے ۔ وہ گویا پتھر کے بستر پر نہیں ہے ۔ ابھی بہن کی گود میں سویا ہے اور بہن نے بوسہ لیکر گویا اس کی آنکھوں کے آنسو پونچھ دیئے ہیں ۔

شراب پینے سے نکشتر کا دل کھل گیا تھا یعنی وہ مستی میں آگیا تھا ۔ لیکن

رگھوپتی ٹھکانے پر بیٹھ کر پوجا کے مہورت کا انتظار کر رہا تھا۔ نکشتر کی بک بک پر اسکا بالکل دھیان نہ تھا۔ نکشتر بک رہے ہیں۔ ”بہت مہاشہ۔ تم دل ہی دل میں ڈر رہے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ میں بھی ڈرتا ہوں۔ لیکن ڈر کچھ نہیں۔ ڈر کیسا؟ — کسکا ڈر؟ — میں تمہاری حفاظت کرونگا۔ تم سمجھ رہے ہو کہ میں راجہ سے ڈرتا ہوں۔ میں شاہ شجاع سے نہیں ڈرتا۔ مجھے شاہجہان کا ڈر نہیں۔ تم نے کیوں نہیں کہا۔ میں راجہ کو پکڑ لاتا۔ دیوی کو خوش کر دیتا۔ اس چھوٹے لڑکے کا خون ہی کتنا ہوگا؟

اسوقت یکایک مندر کی دیوار پر سایہ پڑا۔ نکشتر رائے نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ راجہ مہاراجہ ایک ہی لمحہ میں اتر گیا۔ اپنے سایہ سے بھی زیادہ وہ سیاہ ہو گیا۔ سوتے ہوئے دھرو کو گوبند مانکیہ نے بڑی پھرتی سے گود میں اٹھا کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان دونو کو گرفتار کر لو۔

سپاہیوں نے رگھوپتی اور نکشتر کے دونو ہاتھ پکڑ لئے۔ دھرو کو چھاتی سے چمٹا کر گوبند مانکیہ چاندنی کی روشنی میں اس سنسان راستہ سے راج بھون لوٹ آئے۔ رگھوپتی اور نکشتر رائے ساری رات حراست میں رہے۔

۱۸

آج اس مقدمہ پر غور ہونے والا ہے۔ عدالت میں لوگوں کی بھیڑ اُمڈ پڑی ہے۔ فیصلہ کرنے کے لئے راجہ خیالات میں متفرق ہیں۔ سامنے دونو ملزم کھڑے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں ہتھکڑی نہیں ہے۔ صرف مسلح سپاہی ان دونو کو

گھیرے کھڑے ہیں۔ رگھوپتی پتھر کے پتلے کیطرح کھڑا ہے۔ نکشتر رائے سر جھکائے ہوئے ہیں راجہ نے رگھوپتی کے قصور کو ثابت کرکے اس سے پوچھا۔ "تم کو کیا کہنا ہے ؟"

رگھوپتی نے کہا۔ "میرے بارہ میں فیصلہ کرنیکا حق آپکو نہیں ہے!"

راجہ:۔ "تو تمہارا فیصلہ کون کریگا؟"

رگھوپتی:۔ میں برہمن ہوں۔ میں دیوتا کا خدمتگذار ہوں۔ میرا فیصلہ دیوتا ہی کرینگے۔

راجہ:۔ ایشور تو سب کا فیصلہ کرتے ہی ہیں۔ ہم لوگ فیصلہ کے مطابق سزا دینے والے ہیں۔ ہم لوگوں کے ذریعہ ہی وہ قصورواروں کو سزا دینے کا انتظام کرتے ہیں۔ پاپ کی سزا اور دھرم کا انعام دینے کے لئے دنیا میں انکے ہزاروں فرمانبردار نوکر موجود ہیں۔ میں بھی انہیں میں سے ایک ہوں۔ لیکن ان باتوں کو لیکر میں تمہارے متعلق فیصلہ کرنیکی زیادتی نہیں کرنا چاہتا۔ میں اتنا ہی پوچھتا ہوں کہ کل شام کیوقت قربانی کی خواہش سے تمنے ایک بچہ چھپا رکھا تھا یا نہیں؟

رگھوپتی:۔ "ہاں!"

راجہ:۔ "تم قصور مانتے ہو یا نہیں"

رگھوپتی:۔ قصور! ۔۔ قصور کیا۔ میں دیوی کے ارشاد کی تعمیل کرتا تھا۔ دیوی کا کام کرتا تھا۔ تم نے اسمیں خلل ڈالا ہے۔ اسلئے قصور تو تمنے کیا ہے۔ میں دیوی کے مندر کا منتظم ہوں۔ تمکو قصوروار سمجھتا ہوں۔ وہ تمہارے قصور کے بارہ میں فیصلہ کریگی۔

اسکی بات کا کچھ جواب نہ دیکر راجہ بولے:۔ "میرا اصول یہی ہے کہ جو شخص دیوتا کے نام پر جانداروں کی قربانی کریگا یا ایسا کرنے کی کوشش کریگا۔ اسکو جلاوطنی کی سزا دی جائیگی۔ وہی سزا میں نے تمہارے لئے مقرر کی

ہے۔ آٹھ سال کے لئے تم جلاوطن کئے گئے۔ سنتری تمکو میری سلطنت سے باہر نکال آوینگے۔

سنتری رگھوپتی کو کچہری سے باہر لیجانے کو تیار ہوئے۔ رگھوپتی نے ان لوگوں سے کہا ٹھہرو۔ وہ راجہ کیطرف دیکھ کر بولا۔ تمہارا انصاف تو ہو چکا۔ اب میں تمہارے قصور کا فیصلہ کرونگا۔ دھیان دیکر سنو۔ چودہ دیوتاؤں کی پوجا کی دو راتوں میں جو کوئی باہر نکلیگا اسے پروہت سزا دیگا۔ میرے مندر کا یہی قانون ہے۔ اس پرانے قاعدہ کے مطابق تم میرے نزدیک قابلِ سزا ہو۔

راجہ:۔ تمہاری سزا قبول کرنے کے لئے میں تیار ہوں۔

درباریوں نے کہا:۔ اس قصور کے لئے صرف جرمانہ ہو سکتا ہے۔

پروہت نے کہا۔ میں دو لاکھ روپے جرمانہ کرتا ہوں۔ ابھی دینا ہوگا۔

راجہ نے کچھ دیر سوچکر کہا:۔ "بہت اچھا۔ خزانچی کو بلا کر انہوں نے دو لاکھ روپے کا حکم دے دیا۔ سنتری رگھوپتی کو باہر لیگئے۔

رگھوپتی کے چلے جانے پر نکشتر رائے کیطرف دیکھ کر راجہ کڑک کر بولے:۔

نکشتر رائے! تم اپنے قصور کو مانتے ہو یا نہیں؟"

"مہاراج میں قصوروار ہوں۔ مجھے معاف کیجئے" یہ کہتے ہوئے نکشتر رائے دوڑ کر راجہ کے قدموں سے لپٹ گئے۔

مہاراج گھبرا اٹھے۔ کچھ دیر تک بالکل نہ بول سکے۔ آخر اپنے آپ کو سنبھالکر بولے:۔ نکشتر رائے اٹھو! میری بات سنو۔ میں معاف کرنے والا کون؟ میں اپنے قانون کا آپ پابند ہوں۔ جیسے قصوروار بندھا ہوا ہوتا ہے ویسے ہی منصف بھی بندھا رہتا ہے۔ ایک ہی قصور پہ ایک آدمی کو سزا دونگا اور ایک کو معاف کرونگا یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ تمہیں اسکے متعلق غور کرو۔

درباری بول اٹھے "مہاراج - نکشتر رائے آپکے بھائی ہیں - آپ بھائی کو معاف کیجئے "

راجہ کچھ سخت آواز میں بولے - "تم لوگ چپ رہو - جتنی دیر تک میں انصاف کی مسند پر بیٹھا ہوں اتنی دیر تک میں نہ کسی کا بھائی ہوں - نہ ہی کسی کا دوست" درباری چپ ہو گئے - راجہ کہنے لگے - تم لوگ سن چکے ہو - میری سلطنت میں یہی اصول ہے کہ جو انسان دیوتا کے نام پر کسی جاندار کی قربانی کریگا یا ایسی کوشش کریگا اس کو جلاوطنی کی سزا دیجائیگی - کل شام کیوقت پروہت کیساتھ سازش کرکے نکشتر رائے قربانی دینے کی نیت سے ایک بچہ کو چرا لے گئے تھے - اس قصور کے ثابت ہو جانے پر میں نے انکے لئے آٹھ سال کی جلاوطنی کی سزا کا فیصلہ کیا ہے -

جب سنتری نکشتر رائے کو لیجانے کے لئے تیار ہوتے تو راجہ نے مسند سے نیچے اتر کر نکشتر رائے کو گلے لگایا اور روندھے ہوئے گلے سے کہا: "پیارے صرف تمہیں کو سزا نہیں ہوئی بلکہ مجھے بھی سزا ہوئی ہے - نہ معلوم پہلے جنم میں میں نے کیا غلطی کی تھی - جتنے دن تم اپنے بھائی اور رشتہ داروں سے الگ رہو اتنے دن دیوتا تمہارے ساتھ ساتھ اور تمہارا کلیان ہو -

بات کی بات میں یہ خبر سب جگہ پھیل گئی - محل کے اندر سے رونے پیٹنے کی آواز آنے لگی - راجہ ایک کوٹھڑی میں کواڑ بند کرکے بیٹھے رہے اور ہاتھ جوڑ کر پرماتما سے پرارتھنا کرنے لگے "پربھو اگر میں کبھی قصور کروں تو مجھے معاف نہ کرو مجھ پر ذرا بھی رحم نہ دکھاؤ - مجھ کو میرے پاپ کی سزا دو - پاپ کرکے سزا کا بوجھ اٹھایا جا سکتا -

راجہ کے دل میں نکشتر رائے کیلئے دوگنی محبت جاگ اٹھی - نکشتر رائے کے بچپن کا چہرہ انہیں یاد آنے لگا - نکشتر رائے نے جو کھیل کھیلے ہیں - جو

باتیں کہیں اور کام کئے ہیں وہ سب ایک ایک کرکے انکے دلمیں آنے لگے۔ ایک ایک دن۔ ایک ایک رات۔ اپنے سورج کی روشنی میں۔ اپنے ستاروں سے بھرے آسمان میں نکشتر رائے (بچہ) کو لیکر انکے سامنے طلوع ہونے لگی۔ راجہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

۱۹

جب سلطنت سے باہر ہونے کے لئے رگھوپتی تیار ہوا تب سپاہیوں نے پوچھا، "آپ کس طرف جائینگے؟"

رگھوپتی نے کہا، "مغرب کیطرف"

نو دن تک برابر مغرب کیطرف جانیکے بعد سپاہی ڈھاکہ شہر کے آس پاس پہنچے۔ تب وہ رگھوپتی کو وہاں چھوڑ کر دار لخلافہ میں لوٹ آئے۔

رگھوپتی دل ہی دلمیں کہنے لگا کہ کلیگ میں برہمن کی بددعا نہیں لگتی دیکھیں تو برہمن کی عقل سے کیا کیا کام ہوتا ہے۔ دیکھیں گوبند مانکیہ کیسا راجہ ہے اور میں کسطرح کا پروہت ہوں۔

تریپورا کی سرحد میں، مندر کے اندر، مغل حکومت کا کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے رگھوپتی ڈھاکہ شہر میں جاکر مغلوں کے رواجات و رسومات اور سلطنت کے متعلقہ حالات جاننے کے لئے بیقرار ہوا۔

اسوقت مغل بادشاہ شاہجہاں کی حکومت تھی۔ اسکا تیسرا لڑکا اورنگ زیب جنوب میں نیچے پور پر چڑھائی کرنے کے لئے تعینات ہوا تھا۔ دوسرا لڑکا شجاع

بنگال کا صوبیدار تھا" راج محل" انکا دارالخلافہ تھا۔ بادشاہ کا سب سے چھوٹا لڑکا مراد گجرات کا حاکم تھا۔ بڑا لڑکا دارا ولیعہد سلطنت تھا۔ وہ دہلی میں ہی رہا کرتا تھا۔ بادشاہ کی عمر اسی برس کی ہو چکی تھی۔ انکا جسم خرابیٔ صحت کیوجہ سے بادشاہت کے کاموں کا بوجھ بالکل نہ اٹھا سکتا تھا اسلئے تمام ذمہ داریاں دارا کے ہی کندھوں پر آ پڑی تھیں۔

رگھوپتی نے کچھ دن تک ڈھاکے میں رہکر اردو زبان سیکھی۔ اسکے بعد وہ راج محل کیطرف روانہ ہوا۔ جسوقت وہ راج محل پہنچا اسوقت ہندوستان میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ سب جگہ یہ خبر پھیل گئی تھی کہ شاہجہاں اب دارِ فانی سے کوچ کرنے والے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی فوج کو ساتھ لیکر شجاع دہلی کیطرف بڑی تیزی سے روانہ ہوئے بادشاہ کے چاروں لڑکے قریب المرگ شاہجہاں کے سر پر سے شاہی تاج لینے کی علیحدہ علیحدہ کوشش کرنے لگے۔

رگھوپتی نے سنسان راج محل کو فوراً چھوڑ کر چلنے کا فیصلہ کیا شجاع کے پیچھے جانیکا ارادہ کیا۔ اسنے اپنے ساتھ کے مزدوروں کو وداع کر دیا۔ دو لاکھ روپیوں کو اسنے راج محل کے قریب ایک گھنے جنگل میں دبا دیا اور اسکے اوپر ایک نشان بنا دیا اپنے پاس خرچ کے لئے کچھ روپے رکھ لئے۔ جلے ہوئے گھر۔ سنسان گاؤں اور روندے ہوئے دھان کے کھیتوں میں سے ہوتا ہوا رگھوپتی آگے بڑھنے لگا۔ اس نے سنیاسی کا بھیس بنا لیا۔ مگر سنیاسی کے بھیس پر بھی اسوقت مہمان نوازی و خاطر و مدارت ہونی مشکل تھی۔ وجہ یہ کہ شجاع کی فوجیں ٹڈی دل کیطرح جس راستے ہو کر گئی ہیں اسکے دونوں طرف اناج کی کمی ہے۔ فوجی جھنڈ کے جھنڈ گھوڑوں اور ہاتھیوں کے لئے کچے ہی دھان کاٹ کر لیگئے ہیں۔ کسانوں کے لئے اناج کا ایک دانہ بھی نہیں بچا۔ چاروطرف لوٹ کے مارے فصلوں کی بری حالت ہے۔ بہت سے لوگ

جو گاؤں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ اتفاقاً ایک دو آدمی دکھائی بھی دیتے ہیں تو انکے منہ
پر بالکل اداسی چھائی ہوئی ہے ہنسی خوشی کا نشان تک نہیں۔ وہ خوفزدہ ہرن
کیطرح چوکنے ہو رہے ہیں۔ وہ نہ کسی پر اعتبار کرتے ہیں اور نہ کسی پر رحم کرتے ہیں
سنسان راستہ میں درخت کے نیچے دو چار انسان ہاتھ میں لاٹھی لئے بیٹھے دکھائی
دیتے ہیں۔ مسافروں کے شکار کے لئے وہ تمام دن انتظار کرتے ہیں۔ ڈاکو لوگ
فوجوں کے پیچھے پیچھے لوٹ سے بچے ہوئے مال کو لوٹتے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ
مردے پر جیسے گیدڑ اور کتوں میں کبھی کبھی چھینا جھپٹی ہوتی ہے۔ ویسے ہی درمیان
میں فوجوں کیساتھ ڈاکوؤں کی لڑائی ہوجاتی تھی۔ بیرحمی فوج کے لئے ایک کھیل کی
چیز تھی۔ کسی غریب کے پیٹ میں تلوار کی نوک چبھو دینا یا کپڑوں کیساتھ ہی اسکی کھوپری
اتار دینا وہ لوگ ہنسی کھیل سمجھتے تھے۔ گاؤں والے فوج کو دیکھ کر ڈرتے تھے۔ اس
سے فوج والوں کا بڑا مذاق ہوتا تھا۔ لوٹنے کے بعد وہ لوگ گاؤں والوں کی طرح طرح
سے بیعزتی کرکے دل بہلاتے تھے۔ وہ اونچے خاندان کے برہمنوں کی پیٹھ سے پیٹھ
ملاکر اور چوٹی سے چوٹی باندھ کر انکی ناک میں کوئی تیز چیز ڈالتے تھے۔ وہ گھوڑوں
کی پیٹھ پر ایک آدمی کو چڑھاکر گھوڑوں کو چابک مارتے تھے۔ دونو گھوڑوں کے
دو اطراف میں دوڑنے کیوجہ سے وہ سوار درمیان میں دھم سے گر پڑتا تھا۔ بیچارے
کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتے تھے۔ فوجی روز اسی طرح نئے نئے کھیل نکالا کرتے تھے
بلاوجہ ہی گاؤں کے گاؤں جلا دیتے جاتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بادشاہ کی
عزت بڑھانے کیلئے یہ آتش بازی دکھلائی جارہی ہے۔ اسطرح فوجیوں کے سینکڑوں
مظالم کے نشان ادہر ادہر لگے ہوئے ہیں۔ ایسی جگہ رگھوپتی کی مہمان نوازی کون
کرے۔ کبھی دن فاقہ کرکے۔ کسی دن کچھ تھوڑا سا کھا کر وہ وقت گذارنے لگا۔
ایک رات کو اندھیرے میں ایک سنسان جھونپڑی میں وہ تھک کر سو گیا۔ صبح

اٹھکر دیکھا کہ وہ ایک بغیر سر کی لاش کو تکیہ بنا کر ساری رات سوتا رہا ہے۔ ایکدن دوپہر کیوقت رگھوپتی نے بھوک سے بیچین ہو کر کسی کے گھر جاکر دیکھا کہ ایک آدمی اپنے کھلے ٹوٹے پھوٹے صندوق پر جھکا ہوا پڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے گویا وہ اپنے لٹے ہوئے مال ودولت کے لئے فکرمند ہے۔ پاس جاکر ذرا ہاتھ لگاتے ہی وہ لڑھک کر نیچے گر گیا۔ وہ مردے کا محض پنجر سا تھا۔ اسکی جان کئی دن ہوئے نکل چکی تھی۔

ایکدن رگھوپتی ایک مکان میں لیٹ گیا۔ رات بالکل ختم نہیں ہوئی ہے۔ صبح ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے۔ ایسے وقت آہستہ آہستہ دروازہ کھل گیا۔ سردی کی موسم کی چاندنی کیساتھ کتنے ہی سائے گھر کے اندر آگئے۔ لوگوں کے آہستہ آہستہ بولنے کی کچھ آہٹ سنائی دی۔ رگھوپتی چونک کر اٹھ بیٹھا۔ اسکے اٹھتے ہی کچھ عورتیں ڈر کر کچھ کہنے لگیں۔ ایک مرد آگے بڑھ کر بولا:۔ "کون ہے رے؟"

رگھوپتی:۔ "میں ایک برہمن ہوں۔ تم لوگ کون ہو؟"

جواب ملا۔ یہ ہمارا ہی ہے۔ ہم لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ جب سنا کہ مغلوں کی فوج چلی گئی ہے تب یہاں آئے ہیں!

رگھوپتی:۔ "مغلوں کی فوج کسطرف گئی ہے"

اسنے کہا:۔ نیچے گڈھ کیطرف۔ اب وہ لوگ نیچے گڈھ کے جنگل میں پہنچے ہونگے۔

رگھوپتی:۔ اور کچھ بات نہ کرکے وہاں سے فوراً چلا گیا۔

۲۰
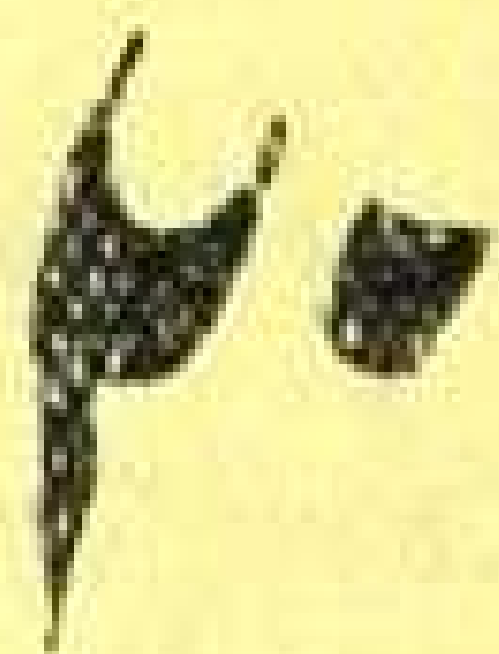
نیپا گڑھ کا وسیع جنگل چوروں ڈاکوؤں کا اڈہ ہے۔ جنگل کے درمیان سے جو سڑک گذرتی ہے اسکے دونو طرف انسانوں کے پنجر پڑے ہیں۔ جن پر جنگلی پھول کھل رہے ہیں۔ اور کوئی نشان نظر نہیں آتا۔ جنگل کے اندر زیادہ تر بڑ۔ ببول اور نیم کے درخت ہیں۔ سینکڑوں طرح کی بیلیں اور پودے ہیں۔ درمیان میں کوئی کوئی گڑھا تالاب سا دکھائی دیتا ہے۔ لگاتار پتے گرنے اور ان کے سڑنے کیوجہ سے اس گڑھے کا پانی بالکل ہرا ہوگیا ہے۔ کتنی ہی چھوٹی موٹی پگڈنڈیاں ادھر ادھر سانپ کیطرح ٹیڑھی میڑھی ہوکر گھنے جنگل میں چلی گئی ہیں۔ درختوں کی شاخ شاخ پر جھنڈ کے جھنڈ بندر بیٹھے ہیں۔ بڑ کے درخت کی شاخوں سے سینکڑوں جٹائیں اور بندروں کی پونچھیں جھول رہی ہیں۔ ٹوٹے پھوٹے مندر کے صحن میں درخت، جھاڑ، پھولوں سے اور بندروں کے دانتوں کی چمک سے بالکل چھپ گئے ہیں۔ شام کیوقت درختوں پر لاتعداد طوطوں کی ٹیں ٹیں سے گھنے جنگل کا گہرا اندھیرا گویا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھٹا جا رہا ہے۔ آج اس وسیع جنگل میں تقریباً بیس ہزار فوجی گھس گئے ہیں۔ شاخوں، پتوں بیلوں اور پودوں سے گھرا ہوا یہ جنگل بڑا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ گویا یہ گول شکل کا، تیز پنجے والے باز کیطرح اس فوج کا ایک گھونسلہ ہے۔ ایک ساتھ ہی اسقدر فوجیوں کی آمد دیکھ کر بیشمار کوے کائیں کائیں کرتے ہوئے جھنڈ کی شکل میں آسمان میں گھومنے لگے ہیں۔ شاخ پر آکر بیٹھنے کا انہیں حوصلہ نہیں ہوتا۔ کسی طرح کی گڑبڑ نہ کرنے کی کمانڈر کی سخت تاکید ہے فوجی سارا دن سفر کرکے شام کیوقت جنگل میں آکر خشک لکڑیاں جمع کرکے کھانا بنا رہے ہیں اور آپس میں چپکے چپکے بات

چیت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی گنگناہٹ سے سارا جنگل گنگنا رہا ہے۔ درختوں کے تنوں سے بندھے ہوئے گھوڑے رہ رہ کر ٹاپوں سے گرد اڑا رہے ہیں۔ اور ہنہناتے ہیں۔ جس سے سارا جنگل کانپ اٹھتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے مندر کے پاس خالی جگہ میں شاہ شجاع کا خیمہ ہے اور سب لوگ درختوں کے نیچے ہی ٹھہرے ہیں۔

لگاتار دن بھر چلکر رگھوپتی نے جنگل کے اندر قدم رکھا۔ اب رات ہو چکی ہے۔ زیادہ تر فوجی گہری نیند میں سو رہے ہیں۔ تھوڑی سی فوج چپ چاپ پہرہ دے رہی ہے۔ درمیان میں کسی کسی جگہ آگ جل رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے جیسے اندھیرے میں بڑی تکلیف سے اپنی نیند بھری لال آنکھیں کھولی ہیں۔ جنگل میں پاؤں رکھتے ہی گویا رگھوپتی نے بیسوں ہزار فوج کے سانس لینے کی آواز سنی ہزاروں درخت اپنی شاخوں کو پھیلا کر جنگل کا پہرہ دے رہے ہیں۔ اُلو اپنے نوزائیدہ بچے کے اوپر جسطرح چھاتی رکھکر اور پر پھیلا کر بیٹھتا ہے اسی طرح جنگل کے باہر والی رات جنگل کے اندر والی رات کو دبائے چپ چاپ بیٹھی ہے جنگل کے اندر والی رات منہ چھپا کر سو رہی ہے اور جنگل کے باہر والی رات سر اٹھا کر جاگ رہی ہے۔ رگھوپتی اس رات جنگل کے باہر کے حصہ میں سو رہا۔

بے خبر سوتے ہوئے رگھوپتی کو صبح کیوقت کسی نے آکر یکایک جھنجھوڑ دیا۔ رگھوپتی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ پگڑی باندھے لمبی ڈاڑھی والے کئی مغل سپاہی اپنی بولی میں اس سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ جسے سنکر اسنے اندازہ لگایا کہ وہ لوگ گالی دے رہے ہیں۔ تب اسنے بھی بنگالی زبان میں ان لوگوں کو سالا کہکر اپنے تعلق کا ثبوت دیا۔ وہ لوگ رگھوپتی کیساتھ کھینچا تانی کرنے لگے۔ رگھوپتی نے کہا۔ تم لوگوں نے کیا مذاق سمجھ لیا ہے؟ ۔ کیا ان لوگوں کے عمل سے

مذاق کے آثار دکھائی نہیں دیئے۔ جنگل کے اندر سے وہ لوگ اسے بغیر ہچکچاہٹ کھینچکر لے جانے لگے۔ رگھوپتی خاص طور سے اپنی ناراضگی ظاہر کرکے بولا:۔ کھینچا تانی کیوں کر رہے ہو۔ میں خود ہی چلتا ہوں۔ نہیں تو میں اتنی دور آتا ہی کیوں؟ فوجی ہنسنے لگے اور اسکی بنگالی زبان کی پیروی کرنے لگے۔ آہستہ آہستہ اسکے چاروں طرف بہت سے سپاہی اکٹھے ہوگئے۔ اس سلسلہ میں بہت شور مچگیا۔ اس کی بہت درگت بنی۔ ایک سپاہی نے گلہری کو پونچھ پکڑکر رگھوپتی کے منڈے ہوئے سر پر یہ دیکھنے کے لئے بٹھا دیا کہ منڈے ہوئے سر کو پھل کے خیال سے وہ کھاتی ہے یا نہیں۔ ایک سپاہی رگھوپتی کی ناک کے پاس ایک موٹے بید کو ٹیڑھا کرکے ساتھ ساتھ چلا۔ اس جھکے ہوئے بید کو چھوڑ دینے سے رگھوپتی کے منہ پر سے ناک کے بالکل اڑ جانیکا امکان تھا۔ فوجیوں کی ہنسی سے سارا جنگل گونجنے لگا۔ آج دن میں دوپہر کیوقت لڑائی کرنی ہے۔ اسی سے صبح دل بہلانے کے لئے رگھوپتی کو ان لوگوں نے ایک تماشہ بنا ڈالا۔ جب تماشہ کے سبھی نظارے ختم ہو گئے تو سپاہی برہمن کو شجاع کے خیمے میں لے گئے۔ شجاع کو دیکھ کر رگھوپتی نے سلام نہیں کیا۔ وہ دیوتا اور برہمنوں کے سوا اور کسی کے سامنے سر نہ جھکاتا تھا۔ اسی لئے اپنے سر کو اونچا کئے کھڑا رہا۔ ہاتھ اٹھا کر کہا۔ شاہجہاں بادشاہ کی جے ہو۔

شجاع شراب کا پیالا ہاتھ میں لئے بیٹھے تھے۔ سستی سے بھری ہوئی آواز میں نفرت کیساتھ پوچھا:۔ کیا معاملہ ہے؟

فوجیوں نے کہا:۔ حضور! یہ دشمنوں کا جاسوس ہمارا بھید معلوم کرنے آیا تھا۔ ہمنے اسے گرفتار کرلیا ہے۔

شجاع نے کہا:۔ اچھا اچھا! وہ بیچارا دیکھنے کے لئے آیا ہے۔ اسے سب چیزیں اچھی طرح دکھا کر چھوڑ دو۔ اپنے یہاں جاکر لوگوں سے سب حال کہیگا

رگھوپتی نے ٹوٹی پھوٹی ہندی میں کہا: "حضور کے ماتحت ہم کوئی کام کرنے
کو عرض کرتا ہوں"
شجاع نے کاہلی کیساتھ ہاتھ ہلاکر جلدی چلے جانیکا اشارہ کیا اور کہا ......
ہوا بڑی گرم ہے" جو پنکھا ہلاتا تھا وہ دوگنے زور سے پنکھا ہلانے لگا۔ دارانے
اپنے لڑکے سلیمان کو جے سنگھ کی رہبری میں شجاع کا حملہ رد کرنے کیلئے بھیجا ہے
شجاع کو خبر ملی ہے کہ بہت بڑی فوج کیساتھ نزدیک آپہنچا ہے۔ اسی لئے وہ
بنگے گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کرکے وہاں فوج جمع کرنے کے لئے بیقرار ہو اٹھے ہیں
شجاع کے ہاتھ میں قلعہ اور سرکاری خزانہ سونپ دینے کا پرستاؤ لیکر بنگے گڑھ
کے مہاراج وکرم سنگھ کے پاس ایلچی گیا تھا۔ وکرم سنگھ نے اس ایلچی کی زبانی
کہلا بھیجا "میں صرف دلی کے بادشاہ شاہجہاں کو اور دنیا کے مالک شنکر (خدا)
کو جانتا ہوں۔ شجاع کون ہیں؟ میں انہیں نہیں جانتا۔
شجاع رکتی ہوئی زبان سے بولے "اوہ۔ بڑا بے ادب!۔ پھر
ناحق لڑائی کرنی ہوگی۔
رگھوپتی نے ان باتوں کو سن لیا۔ فوج کے ہاتھ سے رہا ہوتے ہی
وہ بنگے گڑھ کیطرف چلا۔

۲۱

وجے گڈھ پہاڑ کے اوپر ہے۔ وہاں کا جنگل قلعے کے آس پاس جا کر ختم ہوا ہے۔ جنگل سے نکلکر رگھوپتی نے یکایک دیکھا کہ پتھروں کا بنا ہوا اونچا قلعہ گویا کالے آسمان میں تن کر کھڑا ہے۔ جسطرح جنگل اپنے ہزاروں درختوں سے ڈھکا رہتا ہے اسی طرح قلعہ بھی اپنے پتھروں کے درمیان آپ ہی بند ہے جنگل سادھان ہے تو قلعہ بھی ہوشیار ہے۔ جنگل گیدڑ کیطرح چھپ کر پونچھ دبائے بیٹھا ہے تو قلعہ شیر کیطرح اپنی چھاتی تان کر اور گردن اکڑائے کھڑا ہے۔ جنگل زمین میں کان لگا کر سن رہا ہے۔ قلعہ آسمان میں سر اٹھا کر دیکھ رہا ہے۔

جنگل سے رگھوپتی کے نکلتے ہی قلعہ کی دیوار کے اوپر والے فوجی چونک اٹھے خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ قلعہ گویا شیر کیطرح گرج کر اپنے ناخنوں اور دانتوں کو نکالکر اور بھویں چڑھا کر تن کر کھڑا ہو گیا۔

رگھوپتی یگیوپویت اٹھا کر اور ہاتھ دکھا کر اشارہ کرنے لگا۔ سپاہی ہوشیار ہو کر کھڑے ہو گئے۔

جب رگھوپتی قلعہ کی دیوار کے پاس گیا تب سپاہیوں نے پوچھا :۔ "تم کون ہو؟"

رگھوپتی :۔ "میں ایک برہمن مہمان ہوں۔"

قلعہ کے مالک مہاراج وکرم سنگھ بڑے نیک دل اور دھرماتما ہیں۔ دیوتا۔ برہمن اور مہمانوں کی خدمت میں وہ ہمیشہ مصروف رہتے ہیں۔ یگیوپویت ہونے سے پھر قلعہ کے اندر گھسنے کے لئے اور کسی تعارف کی ضرورت نہ تھی

لیکن آج لڑائی کے دن کیا کرنا چاہیئے۔ اسکا فوجی کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ رگھوپتی نے
کہا: ”تم لوگ مجھے پناہ نہ دو گے تو مسلمانوں کے ہاتھ سے میرا خاتمہ ہو جائیگا۔“
دکرم سنگھ کے کانوں میں جب یہ بات پڑی تب انہوں نے قلعہ کے اندر
برہمن کو پناہ دینے کا حکم دیا۔ قلعہ کی دیوار سے ایک سیڑھی لٹکا دی گئی۔ رگھوپتی
نے اسی کے سہارے سے قلعہ کے اندر داخلہ حاصل کیا۔

قلعہ کے اندر جنگ کے انتظار میں تمام لوگ بےچین ہو رہے ہیں۔ برہمن
کی عزت افزائی کا بوجھ خود بوڑھے کاکا صاحب نے لیا۔ ان کا نام ہے کھڑک سنگھ
لیکن انہیں کوئی کاکا صاحب کہتا ہے اور کوئی صوبیدار صاحب! لوگ انہیں
اسطرح کیوں کہا کرتے ہیں۔ اسکا کوئی سبب نہیں۔ اس دنیا میں انکے ایک
بھی بھتیجا نہیں۔ بھائی نہیں۔ انہیں کاکا ہونے کا کوئی حق نہیں اور آگے ہونے
کا کوئی امکان بھی نہیں۔ انکے بھتیجوں کی جتنی تعداد ہے۔ اسکے مقابلے میں
انکی صوبیداری زیادہ نہیں ہے۔ یعنی انکے ماتحت ایک بھی صوبہ نہیں۔ لیکن آج
تک کسی نے انکے عہدہ کے متعلق کوئی اعتراض یا شک نہیں کیا۔ جو لوگ بغیر بھتیجے
کے چچا اور بنا صوبے کے صوبیدار کہلاتے ہیں انہیں عہدہ سے برطرف ہونے کا
کوئی ڈر نہیں۔ بے ثباتی کا دنیا کیساتھ اور عارضی ہونے کا دولت کیساتھ جو تعلق
ہے وہی ان عہدوں کیساتھ انکا ہے۔ جب سبب نہیں تو فعل کیسا؟

کاکا صاحب نے ”واہ واہ۔ یہ تو سچ مچ برہمن ہیں“ کہکر عقیدت مندی سے
پرنام کیا۔ رگھوپتی کی شکل چراغ کی شعاع کیطرح روشن تھی۔ جسے دیکھ کر پروانے
کیطرح لوگ یکایک عاشق ہو جاتے تھے۔

کاکا صاحب نے دنیا کی موجودہ وقت کی بری حالت پر افسوس ظاہر کرتے
ہوئے کہا:۔ دیوتا جی۔ تب کے سے برہمن آجکل کتنے ملتے ہیں۔

رگھوپتی :- بہت تھوڑے۔

کاکا صاحب :- پہلے برہمنوں کے منہ میں آگ رہتی تھی۔ اب سب آگ پیٹ کے سہارے ہوئی ہے۔

رگھوپتی :- یہ بھی کیا پہلے کیطرح ہے۔

کاکا صاحب نے سر ہلا کر کہا :- ٹھیک بات ! آگستیہ منی جسطرح سے پانی پی گئے تھے اسی انداز سے اگر بھوجن کھاتے تو کیا ہوتا۔ اس بات کو آپ ایک دفعہ غور کر کے دیکھئے۔

رگھوپتی نے کہا :- اور بھی کچھ مثالیں ہیں۔

کاکا صاحب :- ہاں ہیں کیوں نہیں۔ جگھنو منی کی پیاس کی بات سنی جاتی ہے۔ مگر انکی بھوک کی بات کہیں نہیں لکھی۔ اندازہ کر کے دیکھئے۔ ہڑ کھانے سے ہی بھوک کم لگتی ہے یہ بات نہیں۔ وہ روزانہ کتنی ہڑیں کھاتے تھے اس کا حساب ہوتا تو کچھ سمجھ میں آتا۔

برہمنوں کی عظمت یاد کر کے رگھوپتی متانت سے بولا :- نہیں صاحب کھانے کے متعلق وہ زیادہ نہ سوچتے تھے۔

کاکا صاحب نے دانتوں تلے زبان دبا کر کہا :- رام ! رام ! یہ آپ کیا کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی بھوک بہت ہی تیز تھی۔ اسکا مکمل ثبوت ہے۔ اسے کیوں نہیں سوچتے۔ وقت کی تبدیلی سے تمام آگ بجھ گئی۔ ہون یگیہ کی آگ بھی نہیں جلتی۔

رگھوپتی نے جھجک کر کہا :- یگیہ کی آگ اب کیونکر جلیگی ؟ ملک میں گھی تو رہا ہی نہیں۔ ملیکش لوگ گائیوں کو کھائے جاتے ہیں۔ اب ہون کی سامگری کہاں ملتی ہے ؟ ہون کی آگ نہ جلنے سے برہمنوں کی عظمت اب کتنے دن ٹھہریگی ؟ اب وہ اپنی جلانے والی خفیہ طاقت کا پورے طور پر احساس کرنے لگا۔

کاکا صاحب نے کہا :۔ مہاشہ - آپ نے ٹھیک کہا ہے - جو گائیں آجکل مرتی ہیں - انہوں نے انسانی جامہ پہنکر جنم لینا شروع کیا ہے - تب انکے پاس سے گھی ملنے کی امید کیسے کیجائے - اسی لئے کسی کے دماغ میں طاقت نہیں - آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں ؟

رگھوپتی :۔ تری پورا راجیہ سے ؟

وجے گڈھ کے علاوہ ہندوستان کے جغرافیہ اور تاریخ کے متعلق باتیں کاکا صاحب کو بہت تھوڑی معلوم تھیں ۔ وجے گڈھ کے علاوہ ہندوستان میں اور کچھ باتیں معلوم کرنے لائق ہیں - اسپر بھی انکو اعتبار نہیں - بالکل اندازہ کے بھروسے پر بولے :۔ آہا ! تری پورہ کے راجہ تو بہت بڑے ہیں -

رگھوپتی نے اسکی مکمل طور پر تائید کی -

کاکا صاحب :۔ وہاں آپ کیا کرتے ہیں ؟

رگھوپتی :۔ میں تری پورا کا راج پروہت ہوں -

کاکا صاحب آنکھیں موند کر اور سر ہلا کر بولے - آہا - رگھوپتی سے انکی عقیدت بہت بڑھ گئی - پھر پوچھا "آپ یہاں کسلئے تشریف لائے ہیں -

رگھوپتی :۔ تیرتھ یاترا کے لئے -

دھم سے آواز آئی - دشمنوں نے قلعہ پر حملہ کر دیا - کاکا صاحب نے ہنسکر اور آنکھیں دبا کر کہا :۔ کچھ نہیں - ڈھیلے چھوڑ رہے ہیں " وجے گڈھ کے قلعہ پر کاکا صاحب کو جتنا سخت اعتقاد تھا اتنا مضبوط اسکا پتھر نہیں تھا - جہاں کوئی پردیسی یاتری قلعہ کے اندر آیا وہاں اسپر کاکا صاحب اپنا پورا قبضہ جما بیٹھتے تھے اور وجے گڈھ کی دھاک اسکے دل میں جما دیتے تھے - تری پورا راجدھانی سے رگھوپتی آئے ہیں - دنیا میں ایسا مہمان ملنا مشکل ہے اسی لئے کاکا صاحب خوشی

کے مارے پھولے نہیں سماتے۔ رگھوپتی کے ساتھ وہ وجے گڈھ کے دیرینہ اہم معاملات پر بحث مباحثہ کرنے لگے۔ انہوں نے کہا برہما (پرماتما) کا خزانہ اور وجے گڈھ کا قلعہ دونو ایک ہی وقت میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور منو مہاراج کے بعد سے ہی مہاراج وکرم سنگھ کے آباو اجداد اس قلعہ کو استعمال کر رہے ہیں۔ اسکے متعلق شک و شبہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس قلعہ کو مہادیو (دیوتا) کا کیا بروان ہے اور اس قلعہ میں ارجن کسطرح قید ہوئے تھے۔ یہ باتیں بھی رگھوپتی کے سامنے پوشیدہ نہ رہیں۔

شام کیوقت خبر آئی کہ دشمن قلعہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکا۔ ان لوگوں نے توپیں لگائی تھیں۔ مگر توپوں کے گولے قلعہ تک نہیں پہنچ سکے۔ کاکا صاحب نے ہنسکر رگھوپتی کیطرف دیکھا۔ مطلب یہی تھا کہ قلعہ کے متعلق شوجی (دیوتا) کی جو دعا ہے اسکا ایسا صاف ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے نندی (شوجی کی سواری کے بیل) خود آکر توپ کے گولے روکتے رہے ہیں۔ ان گولوں سے کیلاش (پہاڑ) پر گنیش اور کارتیکے (دیوتا) گولی گولی کھیلینگے۔

۲۲

شاہ شجاع کا کسی طرح قلعہ پر قبضہ کرا دینا ہی رگھوپتی کا مقصد تھا۔ اس نے جب سنا کہ شجاع قلعہ میں داخل ہونے کے لئے پوری طرح سے مستعد ہیں تب اسنے دلمیں سوچا کہ دوستانہ طریق پر قلعہ کے اندر داخل ہو کر کسطرح ہم شجاع کو قلعہ کے حملے میں مدد پہنچا وینگے۔ مگر برہمن بیچارہ لڑائی کا حال کیا جانے کیا کیا کام کرنے سے شجاع کی امداد ہو سکتی ہے اسکا وہ اندازہ نہ لگا سکا۔

دوسرے دن پھر لڑائی شروع ہوئی۔ دشمن کی فوج نے بارود کے ذریعہ قلعہ کی دیوار کا کچھ حصہ اڑا دیا۔ مگر اوپر سے لگاتار گولے برسنے کیوجہ سے وہ لوگ قلعہ کے اندر نہ جا سکے۔ ٹوٹا ہوا حصہ بات کی بات میں مکمل کر دیا گیا۔ آج ادھر ادھر قلعہ کے اندر گولے آکر گرنے لگے۔ قلعہ کے فوجیوں میں سے دو چار مارے بھی گئے۔

مہاشئہ کچھ ڈر نہیں۔ یہ صرف ایک تماشہ ہے۔ یہ کہکر کاکا صاحب رگھوپتی کو ساتھ لیکر قلعہ کے چاروں طرف دکھانے لگے۔ کہاں ہتھیار رکھے جاتے ہیں۔ کہاں خزانہ ہے کہاں گھائل فوجیوں کی دوا دارو ہوتی ہے۔ کہاں قید خانہ ہے۔ کہاں دربار ہوتا ہے یہ سب مقامات وہ بڑھ بڑھ کر دکھانے لگے اور بار بار رگھوپتی کے منہ کیطرف دیکھنے لگے۔

رگھوپتی نے کہا۔ واہ صاحب واہ! یہاں کے کارخانے تو تعریف کے قابل ہیں۔ ترپورا کا قلعہ اسکی برابری نہیں کر سکتا۔ مگر ترپورا کے قلعہ میں چھپ کر بھاگنے کے لئے ایک بہت ہی عجیب سرنگ کا راستہ ہے اس قلعہ میں تو ویسا کوئی راستہ نہیں دکھائی پڑتا۔

کاکا صاحب کچھ بولنا چاہتے تھے۔ مگر یکایک اپنے آپ کو سنبھالکر بولے: نہیں! اس قلعہ میں ویسا کوئی راستہ نہیں ہے۔

رگھوپتی نے بڑی حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہا:۔ اتنے بڑے قلعہ میں ایک بھی سرنگ نہیں۔

کاکا صاحب کچھ ٹھٹھک کر بولے: نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ سرنگ ضرور ہو گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمیں معلوم نہ ہو۔

رگھوپتی نے ہنسکر کہا:۔ تب تو نہیں کے برابر ہی ہے۔ جب آپکو ہی معلوم نہیں تب اور کسکو معلوم ہوگا۔

کاکا صاحب نے کچھ دیر تک تو بڑی سنجیدگی قایم رکھی۔ مگر کچھ دیر کے بعد ہرے رام رام کہکر چٹکی بجاتے ہوئے ڈاڑھی اور مونچھوں پر دو ایک دفعہ ہاتھ پھیر کر یکایک بولے مہاشہ!۔ آپ پوجا پاٹھ کر لیجئے۔ آپکو بتانے میں کوئی ہرج نہیں۔ قلعہ کے اندر آنے اور جانے کے دو خفیہ راستے ہیں۔ مگر انہیں باہر کے لوگوں کو دکھانے کی ممانعت ہے۔

رگھوپتی نے کچھ مشتبہ آواز میں کہا:۔ ہاں ہوگا!

کاکا صاحب نے دیکھا کہ یہ ہمارا ہی قصور ہے۔ ایک بار "نہیں ہے" اور ایک بار "ہے" کہنے سے قدرتاً لوگوں کو شک ہو سکتا ہے۔ ایک پردیشی آدمی کی نظر میں ترپورا گڈھ کے مقابلہ میں نیچے گڈھ کا قلعہ کسی حصہ میں بھی کم ہو جائے یہ کاکا صاحب کے لئے قابل برداشت امر نہ تھا۔ انہوں نے کہا:۔ مہاشہ! میں جانتا ہوں کہ آپ کا ترپورا یہاں سے بہت دور ہے اور آپ برہمن ہیں۔ پوجا پاٹھ کرنا ہی آپ کا صرف ایک کام ہے۔ آپکے ذریعہ ان باتوں کے ظاہر ہونے کا کوئی ڈر نہیں۔

رگھوپتی نے کہا:۔ صاحب! مجھکو اس سے کیا مطلب؟۔ اگر آپکو ڈر ہو تو ان باتوں کو رہنے دیجئے۔ میں برہمن کا لڑکا ہوں۔ مجھ کو قلعہ کی باتوں سے کیا مطلب؟

کاکا صاحب دانتوں تلے زبان دبا کر بولے:۔ ارے رام! رام!۔ آپ سے ڈر کس بات کا۔ چلیئے آپکو ایک دفعہ دکھا دیں۔

ادہر قلعہ کے باہر شجاع کی فوج میں یکایک ہلہ مچگیا۔ جنگل کے اندر شجاع کا خیمہ تھا۔ سلیمان اور جے سنگھ کی فوج نے آکر یکایک انکو گرفتار کر لیا۔ پھر وہ فوج خفیہ طور پر قلعہ کے اوپر چڑھائی کر نیوالی شجاع کی فوج پر ٹوٹ پڑی شجاع کی فوج بغیر لڑائی کئے ہی بیس توپیں چھوڑ کر بھاگ گئی۔

قلعہ کے اندر دھوم دھام ہونے لگی۔ وکرم سنگھ کے پاس جونہی سلیمان

کالپی پہنچا اسی وقت انہوں نے قلعہ کا پھاٹک کھولدیا۔ وہ خود جاکر سلیمان اور ساجہ جے سنگھ کو آگے سے لے آئے۔ دہلی کے بادشاہ کی فوج اور ہاتھی گھوڑوں سے قلعہ بھر گیا۔ فتح کا پرچم لہرانے لگا۔ شنکھ اور فتح کے باجے بجنے لگے کاکا صاحب کی سفید مونچھوں کے نیچے صاف ہنسی سے بھرا ہوا چہرہ چمک اٹھا۔

۲۳

کاکا صاحب کے لئے آج بہت ہی مسرت کا دن ہے۔ آج دہلی کے بادشاہ کے راجپوت فوجی دجے گڈھ کے مہمان ہوئے ہیں۔ بارعب شاہ شجاع آج دجے گڈھ کے قیدی بنے ہیں۔ سہسرارجن کے بعد وجے گڈھ کو ایسا قیدی نہ ملا تھا۔ سہسر ارجن کے قید کا زمانہ یاد کرکے اور لمبی سانس لیکر کاکا صاحب نے سوچیت سنگھ راجپوت سے کہا:۔ غور کر کے دیکھو۔ ہزاروں ہاتھوں میں ہتھکڑی پہناتے وقت کتنا انتظام کرنا پڑا ہوگا۔ کلجگ کے آغاز سے اب دھوم دھام محض نام کی رہ گئی ہے۔ راجہ کے لڑکے ہی کیوں نہ ہوں۔ دو ہاتھوں سے زیادہ ہاتھ والے لوگ ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہیں ملتے۔ دو ہاتھوں کو باندھنے میں کیا کچھ آرام نہیں۔ کچھ تماشہ نہیں؟

سوچیت سنگھ نے ہنسکر اور اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر کہا:" یہ دونو ہاتھ ہی کافی ہیں "

کاکا صاحب کچھ سوچکر بولے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ اس زمانہ میں کام بہت تھا۔ اس زمانے میں کام اتنا کم ہوگیا ہے کہ ان دونوں ہاتھوں کی

ای کچھ کیفیت دیبی سنگھ ہے زیادہ ہاتھ ہونے سے اور بھی مونچھوں پر تاؤ دیا۔

آج کاکا صاحب کے لباس میں کوئی کمی نہ تھی۔ ڈاڑھی کے پکے ہوئے بالوں کو ٹھوڑی کے نیچے سے دو حصوں میں تقسیم کرکے دونو کانوں میں لپیٹ لیا ہے۔ مونچھوں کو اینٹھ کر دونو طرف کان کے پاس تک پہنچا دیا ہے۔ سر پر ٹیڑھی پگڑی ہے۔ کمر میں ٹیڑھی تلوار لٹک رہی ہے۔ کامدار جوتے کی نوک اینٹھی ہوئی سینگ کیطرح ٹیڑھی ہوکر اوپر کو اٹھی ہوئی ہے۔ آج کاکا صاحب کے چلنے کا ڈھنگ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وجے گڈھ کی عظمت انہیں کے اعضا میں لہرا رہی ہے۔ آج ان سمجھدار لوگوں کے سامنے وجے گڈھ کی عظمت ثابت ہوجائیگی۔ اس خوشی کے مارے انکو نہ کھانے کی خبر ہے اور نہ سونے کی۔

سوچیت سنگھ کو ساتھ لیکر انہوں نے دن بھر قلعہ کی دیکھ بھال کی۔ جس جگہ سوچیت سنگھ کسی طرح کا تعجب ظاہر نہیں کرتے تھے اسجگہ کاکا صاحب خود واہ واہ کہکر اپنی امنگ راجپوت بہادر کے دلمیں محرک کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ زیادہ تر انہیں قلعہ کی دیوار کی پختگی کے متعلق کوشش کرنی پڑی۔ جسطرح قلعہ کی دیوار کھڑی ہے۔ اس سے بھی زیادہ پختگی سے سوچیت سنگھ کھڑے ہیں۔ انکے چہرے سے کسی طرح کا جذبہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کاکا صاحب گھوم پھر کر انہیں ایک دفعہ دیوار کی بائیں طرف ایک دفعہ دائیں طرف۔ ایک دفعہ اوپر اور ایک دفعہ نیچے لانے اور لیجانے لگے اور بار بار کہنے لگے :۔ کیا کہنا ہے؟ مگر وہ سوچیت سنگھ کے دل کے سخت قلعہ پر قبضہ نہ جما سکے۔ اخیر شام کیوقت تھک کر سوچیت سنگھ بول اٹھے میں نے بھرت پور کا قلعہ دیکھا ہے۔ ویسا دوسرا کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ کاکا صاحب کسی کیساتھ بحث نہیں کرتے۔ وہ بہت اداس ہوکر بولے :۔ ضرور ضرور۔ یہ بات ٹھیک ہی کہتے ہو۔

انہوں نے لمبی سانس لیکر قلعہ کے متعلق باتیں کرنا چھوڑ دیا۔ وکرم سنگھ کے آباء اجداد میں سے درگا سنگھ کی بات چھیڑی۔ انہوں نے کہا:۔ درگا سنگھ کے تین لڑکے تھے۔ انکے سب سے چھوٹے لڑکے چتر سنگھ کو ایک عجیب عادت تھی۔ وہ روزانہ اندازاً آدھ سیر چھوہارے دودھ میں ابالکر کھاتے تھے۔ انکا جسم بھی بھی ویسا ہی مضبوط تھا۔ اچھا تم جو بھرتپور کے قلعہ کی بات کہتے ہو وہ بہت بڑا ضرور ہوگا مگر برہم دیو وشنو پران میں تو اسکا کہیں ذکر نہیں۔

سوچیت سنگھ نے ہنسکر کہا:۔ ویسا نہ ہونے سے کام میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

کاکا صاحب ہنسکر بولے:۔ ہا!۔ ہا!۔ ہا! — یہ ٹھیک ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ تم کیا جانتے ہو۔ ترپورا کا قلعہ بھی کچھ معمولی قلعہ نہیں۔ لیکن بجے گڈھ کے مقابلے میں —

سوچیت سنگھ:۔ ترپورا کس ملک میں ہے؟"

کاکا صاحب:۔ وہ بہت بڑا ملک ہے۔ اتنی باتوں کا مطلب کیا؟ وہاں کے راج پروہت مہمان کے طور پر ہمارے قلعہ میں آکر ٹھہرے ہیں۔ ان کے منہ سے تم سب کچھ سن لینا۔

مگر آج وہ برہمن ڈھونڈنے سے بھی کہیں نہ ملے۔ کاکا صاحب کا دل انکے لئے رونے لگا۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگے:۔ ان وہاں کی راجپوتوں کے مقابلے میں وہ برہمن کہیں اچھا تھا۔ وہ سوچیت سنگھ کے سامنے سینکڑوں منہ سے رگھوپتی کی تعریف کرنے لگے اور بجے گڈھ کی نسبت رگھوپتی کی کیا رائے تھی اسے بھی انہوں نے ظاہر کیا۔

۲۴

کاکا صاحب کے ہاتھ سے چھوٹ کر سوچیت سنگھ کو اور کوئی محنت نہ کرنی پڑی۔ کل صبح قیدی (شجاع) کیساتھ بادشاہی فوجوں کے جانے کا دن مقرر ہوا ہے فوجیں یاترا کا سامان ٹھیک کرنے لگیں۔ قید خانے میں شاہ شجاع پورے طور سے ناراض ہو کر دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں "یہ لوگ کیسے بے ادب ہیں؟ خیمے سے میری گڑگڑی (حقہ سے مراد ہے) لا دینے کیطرف بھی انکا دھیان نہ گیا۔

وجے گڈھ کے پہاڑ کے پیچھے ایک گہرا نالا ہے۔ اسی نالے کی دھار میں ایک جگہ بجلی سے جلا ہوا پیپل کا ٹھنٹا کھڑا ہے۔ اسکے تنے کے پاس گہری رات میں رگھوپتی غوطہ لگا کر غائب ہو گیا۔

خفیہ طور پر قلعہ میں گھسنے کے لئے جو سرنگ کا راستہ ہے اسمیں داخل ہونے کا دروازہ اس نالے کی گہری تہہ میں ہی ہے۔ اس راستہ پر جا کر۔ سرنگ کی آخری جگہ پہنچکر۔ نیچے سے زور سے دھکا لگانے کیساتھ ہی ایک پتھر کا تختہ اوپر اٹھ جاتا ہے۔ مگر اوپر سے کوئی تختہ اٹھانا چاہے تو وہ کسی طرح اٹھایا نہیں جا سکتا اسی لئے جو لوگ قلعہ کے اندر ہیں وہ اس راستہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ شجاع قید خانہ میں پلنگ کے اوپر سوئے ہیں۔ پلنگ کے علاوہ کمرہ میں اور کوئی بستر نہیں ہے ایک چراغ جل رہا ہے۔ یکایک کمرہ میں سرنگ کا منہ کھل گیا۔ رگھوپتی آہستہ آہستہ سر اٹھا کر نیچے سے اوپر آیا۔ اسکا جسم بھیگا ہوا ہے۔ اسکے گیلے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا ہے۔ رگھوپتی نے آہستہ سے شجاع کے جسم پر ہاتھ رکھا۔ شجاع چونک کر اور آنکھیں مل کر کچھ دیر بیٹھے رہے۔ پھر سستی سے انگڑائی

لیتے ہوئے بولے :۔ کیا بات ہے؟ یہ لوگ کیا مجھکو رات کو بھی سونے نہ دینگے۔ تم لوگوں کے سلوک سے میں حیرت میں ہوں۔ رگھوپتی نے نرمی سے کہا :۔ "شہزادہ صاحب۔ چلیئے میں وہی برہمن ہوں۔ یاد کر کے مجھے دیکھیئے۔ مستقبل میں بھی میری یاد رکھئے گا۔

دوسرے دن صبح بادشاہی فوج جانے کو تیار ہوئی۔ شجاع کو نیند سے جگانے کیلئے راجہ جے سنگھ خود قید خانے میں گئے۔ دیکھا کہ شجاع تب بھی بچھونے سے نہیں اٹھے ہیں کیونکہ کواڑ بند تھے۔ کواڑ کھولکر پلنگ کے پاس جاکر دیکھا :۔ شجاع نہیں ہیں ایکے کپڑے پڑے ہیں۔ شجاع کا پتہ نہیں۔ کمرے کے اندر سرنگ کا منہ کھلا ہوا ہے اسکا پتھر کا ڈھکنا الگ پڑا ہے۔

قیدی کے بھاگنے کی بات قلعہ میں پھیل گئی۔ تلاش کرنے کے لئے چاروں طرف لوگ دوڑے۔ راجہ وکرم سنگھ کا سر نیچا ہو گیا۔ قیدی کسطرح بھاگا اسکے بارہ میں غور کرنے کے لئے ایک دربار ہوا۔

کاکا صاحب کی وہ پرمسرت اکڑ کی چال نہ جانے کہاں چلی گئی۔ وہ پاگل کیطرح ...... "برہمن کہاں ہے؟" ...... "برہمن کہاں ہے" ...... کہکر چاروں طرف ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ مگر برہمن کا کہیں پتہ نہیں۔

کاکا صاحب سر پر سے پگڑی اتار کر کچھ دیر تک ماتھے پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔ سوچیت سنگھ نے پاس آ کر کہا :۔ کاکا صاحب۔ کیسا عجیب واقعہ ہوا ہے یہ سب بھوت کے کام تو نہیں ہیں۔

کاکا صاحب اور اس کے ماتحت گردن ہلا کر بولے :۔ نہیں سوچیت سنگھ یہ بھوت کا کام نہیں ہے۔ یہ ایک بیوقوف بوڑھے اور ایک احسان فراموش بدمعاش کا کام ہے۔

سوچیت سنگھ نے حیران ہو کر کہا:۔ اگر تم اسکو جانتے ہو تو پکڑوا کیوں نہیں دیتے "

کاکا صاحب نے کہا:۔ انمیں سے ایک تو بھاگ گیا ہے اور ایک کو گرفتار کر کے راج دربار میں لئے جاتا ہوں "

اب پگڑی پہنکر انہوں نے درباری کپڑے پہن لئے۔

اسوقت دربار میں پہرہ داروں کے بیانات لئے جا رہے تھے۔ کاکا صاحب سر جھکائے دربار میں حاضر ہوئے۔ وہ وکرم سنگھ کے پاؤں کے پاس تلوار رکھ کر بولے۔ مہاراج مجھ کو قید کرنے کا حکم دیا جائے۔ قصوروار میں ہوں۔

راجہ نے حیران ہو کر کہا:۔ کاکا صاحب! کیا معاملہ ہے ؟

کاکا صاحب! برہمن ...... یہ سارا کام اسی بنگالی برہمن کا ہے۔

راجہ جے سنگھ نے پوچھا:" تم کون ہو؟"

کاکا صاحب:۔ میں وجے گڑھ کا بوڑھا کاکا ہوں۔

جے سنگھ:۔ تمنے کیا کیا ہے۔

کاکا صاحب:۔ میں نے نجے گڈھ سے احسان فراموشی کی ہے۔ میں نے ایک بیوقوف کیطرح بنگالی برہمن پر اعتبار کر کے سرنگ کے راستہ کی بات کہدی تھی۔

وکرم سنگھ یکایک جل کر بولے اٹھے:۔ کھڑک سنگھ ؟ ــــ

کاکا صاحب چونک پڑے۔ وہ بھول گئے تھے کہ ہمارا نام کھڑک سنگھ ہے۔

وکرم سنگھ نے کہا:۔ کھڑک سنگھ۔ اتنی عمر میں آکر کیا تم پھر لڑکے بن گئے۔

کاکا صاحب سر نیچا کر کے چپ ہو رہے۔

وکرم سنگھ نے کہا:۔ کاکا صاحب! تمنے یہ کام کیا۔ تمہارے ہاتھ سے آج وجے گڈھ کی بعزتی ہوئی۔

کاکا صاحب چپ کھڑے رہے۔ انکے ہاتھ تھر تھر کانپنے لگے۔ انہوں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ماتھا چھو کر دل ہی دلمیں کہا...... نہ معلوم......

وکرم سنگھ:۔ میرے قلعہ سے بادشاہ کا دشمن کیا نکل بھاگا۔ دہلی کے بادشاہ کے سامنے تمنے مجھ کو قصوروار بنا دیا۔

کاکا صاحب:۔ قصوروار تو میں ہوں۔ مہاراج قصوروار ہیں اس بات کا اعتبار بادشاہ نہ کرینگے۔

وکرم سنگھ نے غصہ ہو کر کہا:۔ تم کون ہو؟ —— تمہاری خبر بادشاہ کو کہاں ہے؟۔ تم تو میرے ہی آدمی ہو۔ یہ تو ایسا ہی ہوا گویا میں نے اپنے ہاتھ سے قیدی کو رہا کر دیا۔

کاکا صاحب لاجواب ہو گئے۔ وہ اب اپنی آنکھوں کے آنسو نہ سنبھال سکے۔

وکرم سنگھ نے کہا:۔ تمہیں کیا سزا دوں؟

کاکا صاحب:۔ مہاراج کی جو مرضی ہو۔

وکرم سنگھ:۔ تم بوڑھے ہو۔ تمکو اور زیادہ کیا سزا دوں۔ وجے گڈھ سے باہر نکل جانا ہی تمہارے لئے کافی سزا ہے"

کاکا صاحب نے وکرم سنگھ کے پاؤں پکڑ کر پرارتھنا کی:۔ وجے گڈھ سے جلاوطنی!۔ نہیں مہاراج!۔ میں بوڑھا آدمی ہوں۔ میری عقل ٹھکانے نہ رہی مجھے وجے گڈھ کی مٹی میں ہی ملنے دیجئے۔ پھانسی کا حکم دے دیجئے۔ اس بڑھاپے میں گیدڑ اور کتے کیطرح وجے گڈھ سے مجھے نہ نکالئے۔

راجہ جے سنگھ نے کہا : مہاراج میرے لئے انکا قصور معاف کریں ۔ میں بادشاہ کو یہاں کی تمام باتیں بتا دونگا ۔

کاکا صاحب کو معافی ملی دربار سے باہر آتے وقت کاکا صاحب کانپ کر گر پڑے ۔ اسدن سے وہ زیادہ دکھائی نہیں دیتے ۔ وہ گھر سے باہر نہیں نکلتے گویا انکی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو ۔

۲۵

گوجر پاڑہ برہم پتر ندی کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں ہے ۔ وہاں کے ایک چھوٹے زمیندار ہیں پیتامبر رائے ۔ گاؤں میں آبادی زیادہ نہیں ہے ۔ پیتامبر اپنے پرانے دیوی کے مکان میں بیٹھکر اپنے آپ کو راجہ کہلا رہے ہیں ۔ انکی رعایا بھی انہیں راجہ کہتی ہے ۔ انکی شاہی شان آم اور پپلو کے جنگلوں سے گھرے ہوئے اس چھوٹے گاؤں کے اندر ہی موجود ہے ۔ انکی شہرت اس گاؤں کے جنگلوں میں گونجتی ہوئی اس گاؤں کے ضلع میں ہی روپوش ہو جاتی ہے ۔ دنیا کے بڑے بڑے راجہ مہاراجاؤں کا رعب و دبدبہ اس چھوٹے سے سایہ دار گھونسلے میں نہیں آسکتا ۔ صرف ندی کے کنارے مقدس مقام پر نہانے کے مقصد سے ترپورا کے راجہ کا ایک کمرہ ہے ۔ بہت دنوں سے راجاؤں کا کوئی انسان نہانے نہیں آیا ۔ جو ہو ترپورا کے راجہ کے متعلق گاؤں والوں میں ایک بات مشہور ہے ۔ ایک دن بھادوں کے مہینے میں گاؤں میں خبر پہنچی کہ ترپورا کے ایک راج کمار ندی کے کنارے والے پرانے مکان میں رہنے کے لئے آرہے ہیں ۔ کچھ دن کے

بعد بڑی بڑی پگڑی باندھے لوگوں نے آکر اس مکان میں دھوم مچادی۔ اسکے کوئی ایک ہفتہ کے بعد ہاتھی۔گھوڑے۔ لوگ لشکروں کو لئے نکشتر رائے گوجر پاڑہ گاؤں میں آپہنچے۔ انکا ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر گاؤں والوں کے منہ سے کوئی بات نہ نکلی۔ اتنے دنوں تک وہ پتامبر کو ہی بڑا راجہ مانتے تھے مگر آج وہ بات کسی کے دل میں قایم نہیں رہی۔ نکشتر رائے کو دیکھ کر سبھی ایک آواز میں بولے:۔ ہاں! راجکمار ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اگرچہ نکشتر رائے کو دیکھ کر اور انکے رعب داب کے سامنے پتامبر اور اسکا سجا ہوا پختہ دالان اور دیوی کا مکان تک سب پھیکے پڑ گئے مگر انکی مسرت کا ٹھکانہ نہ رہا۔ نکشتر رائے کو پتامبر نے اتنا بڑا راجہ مانا کہ اپنی چھوٹی سی سلطنت کو نکشتر رائے کے قدموں میں رکھکر وہ بہت خوش ہوتے۔ نکشتر رائے جب کبھی ہاتھی پر چڑھ کر نکلتے ہیں تب پتامبر اپنی رعایا کو پکار کر کہتے ہیں:۔ تم لوگوں نے راجہ دیکھا ہے؟ دیکھو تو یہ ہے راجہ؟۔ پتامبر روزانہ کتنی ہی کھانیکی چیزیں تحفہ کے طور پر لاکر نکشتر رائے کو دیکر آتے ہیں۔ نکشتر رائے کا نیا خوبصورت چہرہ دیکھ کر پتامبر کے دل میں پریم امڈ آتا ہے۔ نکشتر رائے ہی گاؤں کے راجہ بنگئے۔ پتامبر رعایا میں جاملے۔

دن میں تین دفعہ نوبت بجنے لگی۔ گاؤں کے راستے میں ہاتھی گھوڑے چلنے لگے۔ ڈیوڑھی پر پہرہ داروں کے ہاتھ میں ننگی تلوار بجلی کیطرح چمکنے لگی۔ دوکانیں دوبارہ آباد ہو گئے۔ پتامبر اور انکی رعایا سبھی خوشی کے مارے جامے میں پھولے نہ سماتے ہیں۔ نکشتر رائے اس جلاوطنی کی سزا میں راجہ بنکر ساری تکلیف بھول گئے۔ یہاں انکے اوپر سلطنت کا بوجھ کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر شاہی آرام سب ہی موجود ہیں۔ یہاں وہ مکمل طور پر آزاد ہیں۔ اپنے وطن

میں انکا اتنا رعب داب نہیں تھا۔ اسکے علاوہ۔ اسجگہ رگھوپتی کا سایہ تک نہیں۔ نکشتر رائے خوشی سے عیش و عشرت میں مستغرق ہوگئے۔ ڈھاکہ شہر سے ناچنے گانے والے آئے۔ نکشتر رائے کو ناچ اور گانے وغیرہ باتوں میں دلچسپی تھی۔

نکشتر رائے نے تو پورا راجیہ کی سب باتوں کی پیروی کی۔ نوکروں میں سے کسی کو وزیر بنایا۔ کسی کو سپہ سالار مقرر کیا۔ پیتامبر دیوان جی کہلائے جانے لگے قاعدہ کیساتھ راج دربار ہونے لگا۔ نکشتر رائے بڑے ٹھاٹھ سے انصاف کرنے بیٹھتے ہیں۔ ہروپانے آکر نالش کی ..."متھرا نے مجھ کو کتا کہا ہے" قاعدہ کے مطابق اسپر غور ہوا۔ کل ثبوت اکٹھا ہونیکے بعد متھرا قصوروار ثابت ہوا۔ نکشتر رائے نے متانت سے حکم دیا۔ "ہروپا متھرا کے کان کھینچے" اسطرح نکشتر رائے آرام سے وقت گذارنے لگے۔ کسی کسی دن جب کوئی کام ہاتھ میں نہ آتا تھا تب دل بہلانے کیلئے کوئی غیر قدرتی نئے تماشے ایجاد کرنے کے لئے وزیر کو بلایا جاتا تھا۔ درباریوں کو متوجہ کرکے وزیر بڑی سنجیدگی کیساتھ تماشہ ڈھونڈھ نکالنے کے لئے تیار ہوتے تھے۔ فکر اور غور خوض کا ٹھکانہ نہ رہتا تھا۔ ایکدن کچھ سپاہیوں کو لیکر پیتامبر کے دیوی کے مکان پر حملہ کیا گیا اور انکے تالاب سے مچھلی اور باغ سے کچے ناریل کے پھل اور پالک کا ساگ لوٹنے کے سامان کی شکل میں بڑی دھوم دھام کیساتھ باجے بجاتے ہوئے ڈیوڑھی پر لایا گیا۔ اسطرح کے کھیلوں سے نکشتر رائے کے اوپر پیتامبر کا پریم اور بھی بڑھ گیا۔

آج راج بھون میں بلی کی شادی ہے۔ نکشتر رائے کے پاس ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ اسکے ساتھ "منڈا" کے بلے کا بیاہ ہوگا۔ چوڑامنی حجام کو اس جوڑی کے ملانے کا تین سو روپیہ اور ایک دوشالا انعام میں ملا ہے۔ ہلدی۔ تیل وغیرہ چڑھانے کی سبھی رسومات ادا ہوئیں۔ آج شام کیوقت نیک ساعت میں شادی

ہوگی۔ اس جلسہ کیوجہ سے کئی دنوں سے راج بھون میں کسی کو دَم لینے کی فرصت نہیں شام کیوقت سڑکوں پر روشنی کیگئی۔ نوبت خانہ میں باجے بجنے لگے۔ منڈل بابو کے گھر سے کمخواب کی پوشاک پہنے دولھا بہت بیچینی میں "میاؤں۔ میاؤں" کرتا چلا۔ منڈل بابو کے گھر کا ایک چھوٹا لڑکا اسکے گلے کی ڈوری پکڑے اسکے ساتھ ساتھ آرہا ہے۔ منتروں کے اُچارن اور شنکھ کی آواز کیساتھ وَر (دولھا) منڈپ میں لایا گیا۔ پروہت کا نام تھا کنیارام، مگر نکشتر رائے نے اسکا نام رکھا تھا رگھوپتی۔ نکشتر رائے اصلی رگھوپتی سے ڈرتے تھے۔ اسے نقلی رگھوپتی کیساتھ ہنسی ٹھٹھا کرکے خوش ہوتے تھے اتنا ہی نہیں بلکہ بات بات میں اسکی دُرگت بھی کرتے تھے۔ "کنیارام" سب کچھ سہہ لیتا تھا۔ خوش قسمتی سے آج "کنیارام" دربار میں حاضر نہ تھا۔ اسکا لڑکا بخار کے مارے مرا جارہا ہے۔ نکشتر رائے نے گھبراہٹ کے لہجہ میں پوچھا: "رگھوپتی کہاں ہے؟" نوکر نے کہا۔ "انکے گھر کوئی بیمار ہے" نکشتر رائے نے کڑک کر کہا: "بلاؤ اسکو۔ لوگ دوڑ پڑے۔ اسوقت خوب زور سے روتی ہوئی بلّی کے سامنے ناچ گانا ہونے لگا۔ نکشتر رائے نے کہا: "سہانا گاؤ" سہانا گانا شروع ہوا۔ کچھ دیر کے بعد نوکر نے آکر عرض کی:۔ "رگھوپتی آ گئے"۔ نکشتر رائے نے غصہ سے بھر کر کہا بلاؤ! پروہت جی فوراً گھر میں داخل ہوئے۔ اسکو دیکھتے ہی نکشتر رائے کی چڑھی ہوئی بھویں اتر گئیں۔ انکا جذبہ بالکل بدل گیا۔ چہرہ اتر گیا۔ پیشانی پہ پسینہ دکھائی دیا سہانا گانا سارنگی طبلہ وغیرہ سبھی باجے یکایک بند ہوگئے۔ اس سنسان گھر میں صرف بلّی کی میاؤں...... میاؤں کی آواز بھر گئی۔

"ہاں! ہے تو یہ رگھوپتی ہی۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ لمبے۔ دُبلے۔ پُرشکوہ رگھوپتی کی۔ بہت دنوں سے بھوکے کُتے کیطرح آنکھیں جل رہی تھیں۔ وہ خاک سے بھرے ہوئے دونو پاؤں کمخواب کی مسند پر رکھکر اور سر اونچا کرکے کھڑا

ہو گیا۔

اس نے کہا۔ "نکشتر رائے"۔ نکشتر رائے کچھ نہ بولے۔ رگھوپتی نے کہا۔ "تم نے رگھوپتی کو بلایا ہے۔ میں آ گیا" نکشتر رائے نے دبی ہوئی آواز میں کہا "ہاں"

رگھوپتی نے کہا۔ "اٹھو! ادھر آؤ۔"

نکشتر رائے آہستہ آہستہ محفل سے اٹھ گئے۔ بلی کا بیاہ۔ سہانا گانا اور سارنگی سب یکدم بند ہو گئے۔

۲۶

رگھوپتی نے پوچھا۔ "یہ کیا ہوتا تھا؟"

نکشتر رائے نے سر کھجلا کر کہا۔ "ناچ!"

رگھوپتی نفرت کیساتھ ناک سکوڑ کر بولا۔ "چھی! چھی!"

نکشتر رائے قصوروار کیطرح کھڑے رہے۔

رگھوپتی نے کہا:- کل یہاں سے چلینگے۔ تیاری کرو۔

نکشتر رائے نے پوچھا:- کہاں جانا ہوگا؟

رگھوپتی:- یہ پھر بتاؤنگا۔ ابھی یہاں سے میرے ساتھ چلے چلو۔

نکشتر رائے:- میں یہاں اچھی طرح ہوں۔

رگھوپتی:- اچھی طرح ہوں؟ تم شاہی خاندان میں پیدا ہوئے ہو۔ تمہارے سبھی آباؤ اجداد حکومت کرتے آئے ہیں۔ آج تم اس جنگلی گاؤں میں گیدڑوں کے راجہ بنے بیٹھے ہو۔ اسپر بھی کہہ رہے ہو:- اچھی طرح ہوں؟-

رگھوپتی نے کڑوی باتوں اور تیز نظروں سے ثابت کر دیا کہ نکشتر رائے اچھی حالت میں نہیں ہیں۔ نکشتر رائے نے بھی رگھوپتی کے منہ کے جلال سے متاثر ہو کر بہت کچھ ویسا ہی سمجھا۔ انہوں نے کہا:- اچھی طرح کیا۔ کسی طرح دن گذار رہا ہوں۔ پھر کیا کروں۔ اور علاج ہی کیا ہے؟

رگھوپتی:- علاج بہت ہیں۔ علاجوں کی کمی نہیں۔ میں تمہیں علاج بتا دونگا تم میرے ساتھ چلو۔"

نکشتر رائے:- "دیوان جی سے ایک بار پوچھ لوں۔"

رگھوپتی:- "نہیں"

نکشتر رائے:- اور میرا یہ سب مال اسباب؟

رگھوپتی:- "اسکی کوئی ضرورت نہیں؟"

نکشتر رائے:- نوکر؟

رگھوپتی:- "کچھ ضرورت نہیں!"

نکشتر رائے۔ "میرے ہاتھ میں ابھی کافی روپے نہیں ہیں۔"

رگھوپتی:- "میرے پاس ہیں۔ اب بہت سوچ وچار نہ کرو۔ ابھی سونے

کر جاؤ۔ کل صبح ہی روانہ ہونا ہے "

بس جواب کا انتظار کئے بغیر ہی رگھوپتی چلا گیا۔ صبح نکشتر رائے بیدار ہوئے بھائیوں نے میٹھی راگنی الاپنی شروع کی۔ نکشتر رائے نے باہر کے کمرے میں آکر کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ مشرق سے آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔ لال لال لکیریں دکھائی دے رہی ہیں۔ گھنے درختوں کے درمیان سے ہو کر چھوٹے چھوٹے سنسان گاؤں کے گھروں کے پاس سے برہم پتر ندی اپنی پانی کی دھار کو لیکر لگاتار بہہ رہی تھی۔ کمرے کے جھروکے میں سے ندی کے کنارے کا ایک چھوٹا سا گھر دکھائی پڑتا ہے۔ ایک عورت صحن میں جھاڑو دے رہی ہے۔ ایک مرد اسکے ساتھ دو ایک باتیں کر کے پیشانی پر چادر لپیٹے۔ ایک بانس کی لمبی لاٹھی کے آگے کیطرف پوٹلی باندھ کر خوشی سے کہیں باہر چلا گیا۔ پرندے سیٹیاں مار رہے ہیں۔ ایک پرند درخت کے گھنے پتوں میں بیٹھکر گا رہا ہے۔ جھروکے کے پاس کھڑے ہو کر اور باہر کیطرف دیکھ کر نکشتر رائے نے ٹھنڈی سانس لی۔ اسی وقت رگھوپتی نے پیچھے سے آکر نکشتر رائے کو چھوا۔ وہ چونک اٹھے۔

رگھوپتی نے نرمی سے ہلکی آواز میں پوچھا۔ یاترا کا سب سامان ٹھیک ہے۔

نکشتر رائے ہاتھ جوڑ کر بڑی بیقراری سے بولے :۔ مہاشہ! مجھے معاف کیجئے۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جانا چاہتا۔ میں اسجگہ آرام سے ہوں۔

رگھوپتی نے کچھ نہ کہکر نکشتر رائے کے چہرے کیطرف اپنی انگارے کیطرح سرخ آنکھیں کیں۔

نکشتر رائے نے آنکھیں نیچی کر کے پوچھا :۔ "کہاں جانا ہوگا؟"

رگھوپتی :۔ ابھی نہیں کہہ سکتا!

نکشتر:۔ بھائی کے خلاف میں کوئی کام نہ کرسکونگا۔
رگھوپتی غصہ سے جلکر بولا:۔ بھائی نے تمہارا کونسا فایدہ کیا ہے۔ کہو تو ذرا میں بھی سنوں۔
نکشتر رائے نے منہ پھیر کر اور جھرو کے پر لکیر کھینچکر کہا:۔" میں جانتا ہوں۔ وہ مجھ سے پریم کرتے ہیں۔
رگھوپتی نے سخت خشک ہنسی کیساتھ کہا:۔" ہرے ہرے!۔ بڑا بھاری پریم --- میں سب سمجھتا ہوں۔ دھرو کو بے کھٹکے ولیعہد سلطنت بنانے کے لئے بھائی نے فضول الزام لگا کر تمہیں جلاوطن کر دیا۔ آہا! سلطنت کے بھاری بوجھ سے مکھن جیسا نرم بھائی کہیں تکلیف نہ پائے۔ اب اس سلطنت میں کیا کیا آسانی سے داخل ہو سکوگے! بیوقوف!
نکشتر رائے نے فوراً کہا:۔ کیا میں اتنی معمولی بات بھی نہیں سمجھتا۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ مگر سمجھ کر ہی کیا کرونگا۔ علاج ہی کیا ہے؟
رگھوپتی:۔ اسی علاج کی بات ہو رہی ہے۔ اسی کے لئے میں آیا ہوں۔ خواہش ہو تو میرے ساتھ چلے چلو۔ نہیں تو اس بانس کے جنگل میں بیٹھکر اپنے ہی خواہ آباؤ اجداد کا نام یاد کیا کرو۔ میں جاتا ہوں۔
اب رگھوپتی جانے لگا۔ نکشتر رائے نے فوراً اسکے پیچھے پیچھے چلکر کہا:۔ میں بھی چلونگا۔ اگر دیوان جی جانا چاہیں تو انکو اپنے ساتھ لیجانے میں کیا ہرج ہے؟"
رگھوپتی نے جوابدیا:۔ میرے علاوہ تمہارے ساتھ اور کوئی نہ جائیگا۔
گھر چھوڑ کر نکشتر رائے کا پاؤں باہر بڑھنا نہیں چاہتا۔ عیش و عشرت کے ان سامانوں کو چھوڑ کر اور دیوان جی سے وداع ہو کر رگھوپتی کیساتھ اکیلے کہاں جانا پڑیگا۔ مگر رگھوپتی گویا انکی چوٹی پکڑ کر کھینچے لئے جارہا ہے۔ اس کے

علاوہ نکشتر رائے کے دلمیں ڈر کیساتھ ہی ساتھ ایک طرح کی بیچینی بھی پیدا ہونے لگی۔ بیچینی کا بھی ایک عجیب اثر ہے۔

کشتی تیار ہے۔ ندی کے کنارے جاکر نکشتر رائے نے دیکھا کہ کندھے پر تولیہ رکھے پیتامبر رائے نہانے آئے ہیں۔ پیتامبر نکشتر رائے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولے۔ جے ہو مہاراج! سنا ہے کل کہیں سے ایک منحوس برہمن نے آکر ہنسی خوشی کی شادی میں خلل ڈالدیا۔

نکشتر رائے سہم گئے۔ رگھوپتی نے متانت سے کہا:۔ "وہ منحوس برہمن میں ہی ہوں۔

پیتامبر ہنسکر بولے:۔ آپکے منہ پر آپکی تعریف کرنا بھی تو ٹھیک نہیں۔ جان بوجھکر کون باپ کا بیٹا ایسا کام کرتا (یعنی منہ پر کوئی کسی کی بدنامی نہیں کرتا) آپ بُرا نہ مانینگا۔ پیٹھ پیچھے لوگ کیا نہیں کہتے ہیں۔ جو سامنے مجھے راجہ کہتا ہے وہی پیچھے سے پیتامبر کہتا ہے۔ پیچھے سے کوئی کچھ کہا کرے۔ منہ پر کچھ نہ کہنے کے ہی برابر ہوا۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ سچ پوچھئے تو نہ معلوم آپکا منہ ایسا زیادہ ناخوش کیوں دکھائی دیتا ہے۔ کسی کے منہ کی ایسی حالت دیکھنے سے ہی لوگوں میں اسکی شکایت ہونے لگتی ہے۔

مہاراج۔ اتنے صبح ندی کے کنارے آنے کی کیا وجہ ہے؟

نکشتر رائے نے کچھ مایوسی کے لہجہ میں کہا:۔ "دیوان جی! میں اب جارہا ہوں"

پیتامبر:۔ جارہے ہیں؟۔ کہاں؟ نہ پاڑا میں۔ منڈل بابو کے مکان پر۔

نکشتر رائے:۔ نہیں دیوان جی! منڈل بابو کے مکان پر نہیں۔ بلکہ بہت دور۔

پیتامبر:۔ بہت دور؟ تو کیا اور کسی ضروری کام جاکر آجائینگے؟۔

نکشتر رائے نے ایکدفعہ رگھوپتی کے منہ کیطرف دیکھ کر مایوسانہ لہجہ میں سرہلایا رگھوپتی نے کہا:" وقت گذر رہا ہے۔ کشتی پر سوار ہو جایئے۔

پتیامبر نے بہت ہی شک اور غصہ کیساتھ برہمن کے منہ کیطرف دیکھا اور کہا:- باباجی! تم کون ہو؟ - ہمارے مہاراج پر حکومت کرنے آئے ہو؟"

نکشتر رائے نے بیچین ہو کر پتیامبر کو اپنے پاس کھینچکر کہا:" یہ ہمارے استاد ہیں؟"

پتیامبر نے کہا:" بھلے ہی استاد ہوں۔ وہ ہمارے دیوی کے مکان میں جاکر رہیں۔ میں چاول۔ دودھ۔ کیلے وغیرہ کا انتظام کر دونگا۔ آپ خوشی سے یہاں رہیں"

مہاراج کو وہاں کیا کام ہے؟"

رگھوپتی:- وقت فضول ضائع ہو رہا ہے۔ تو میں اب جاتا ہوں۔

پتامبر:- آپکی خوشی! دیر کرنے کا مطلب کیا ہے۔ مہاشہ آپ جھٹ پٹ پدھاریئے۔ مہاراج کو لیکر میں ڈیوڑھی پر جاتا ہوں۔

نکشتر رائے نے ایکدفعہ رگھوپتی کے چہرے کیطرف دیکھ کر میٹھی آواز میں کہا:- نہیں دیوان جی میں جاتا ہوں۔

پتیامبر:- تو میں بھی چلتا ہوں۔ نوکروں کو ساتھ لے لیجئے۔ راجہ کیطرح چلیئے! - راجہ جائینگے تو کیا ساتھ دیوان جی نہ جائینگے؟

نکشتر رائے نے صرف رگھوپتی کے چہرہ کیطرف دیکھا۔

رگھوپتی نے کہا:" کوئی ساتھ نہیں جائیگا!"

پتیامبر اداس ہو کر نکشتر رائے کا ہاتھ پکڑ کر بولے:- دیکھو بابو! - میں تمہیں راجہ تو کہا کرتا ہوں۔ مگر تمہیں اولاد کیطرح محبت کرتا ہوں۔ میرے

کوئی اولاد نہیں۔ تمہارے اوپر میرا کوئی زور نہیں چل سکتا۔ تم جا رہے ہو۔ میں زبردستی تمہیں روک بھی نہیں سکتا۔ مگر میری ایک درخواست ہے۔ کہ کہیں بھی کیوں نہ جاؤ۔ مگر میرے مرنے سے پہلے یہاں لوٹ آنا۔ میں اپنے ہاتھ سے اپنی تمام جائداد تمہیں سونپ دونگا۔ بس یہی ایک خواہش ہے۔

نکشتر رائے اور رگھوپتی کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی جنوب کیطرف روانہ ہوئی پتیامبر نہانا بھول گئے۔ تولیہ کندھے پر رکھے متفکرانہ دل سے گھر لوٹ آئے۔ گوجر پاڑہ گویا خالی ہو گیا۔ اسکے خوشی کے جلسے ختم ہو گئے۔ صرف قدرت کا روزانہ جلسہ ہمیشہ کے لئے رہ گیا۔ صبح چڑیوں کی چہچہاہٹ۔ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اور ندی میں لہروں کو آرام نہیں۔

۲۷

سفر دور کا ہے۔ کہیں ندی ہے۔ کہیں گھنا جنگل ہے۔ کہیں سنسان جنگل ہے۔ کبھی کشتی پر۔ کبھی پیدل ہی۔ کبھی ٹٹو پر۔ کبھی دھوپ میں۔ کبھی بارش کے پانی میں۔ کبھی شور و غل ہوتے ہوئے دن میں اور کبھی رات کی گہری تاریکی میں نکشتر رائے برابر چلے جا رہے ہیں۔ کتنے ہی ملک۔ کتنے ہی عجیب نظارے اور کتنے ہی عجیب لوگ دکھائی دے رہے ہیں۔ مگر نکشتر رائے کیساتھ سایہ کیطرح تاریک اور دھوپ کیطرح روشن وہی اور صرف وہی ایک رگھوپتی ہے دن میں رگھوپتی۔ رات میں رگھوپتی اور خواب میں بھی۔ ہر جگہ رگھوپتی موجود ہے۔ سڑک پر یاتریوں کا تانتا لگ رہا ہے۔ سڑک کے کنارے گرد و غبار میں لڑکے

کھیل رہے ہیں۔ گاؤں میں بوڑھے لوگ چوپڑ کھیل رہے ہیں۔ گھاٹ پہ عورتیں پانی بھر رہی ہیں۔ کشتی پر مانجھی گیت گاتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ مگر نکشتر رائے کے پاس وہی ایک دُبلا پتلا رگھوپتی ہمیشہ سے جاگ رہا ہے۔ دنیا میں چاروں طرف عجیب واقعات ہو رہے ہیں۔ مگر اس پُراسرار ناٹک کے درمیان سے نکشتر رائے کی قسمت انہیں گھسیٹے لئے جا رہی ہے۔ آدمیوں کی سوسائٹی سنسان ہو رہی ہے۔ لوگوں کی رہائش گاہیں انکے لئے مرگھٹ ہو رہے ہیں۔ نکشتر رائے تھک کر اپنے ساتھ والے سایہ سے پوچھتے ہیں: "اب اور کتنی دور جانا ہوگا؟ یہ جواب دیتا ہے بہت دور۔ کہاں جانا ہوگا؟" اسکا جواب نہیں۔ نکشتر رائے سانس لیکر چل پڑتے ہیں۔ درختوں کی قطاریں پتوں سے چھپے ہوئے صاف ستھرے سونے گھروں کو دیکھ کر انکے دل میں آتا ہے کہ اگر میں ان گھروں کا رہنے والا ہوتا تو کیسا اچھا ہوتا۔ شام کیوقت جب چرواہے کندھے پر لاٹھی رکھے میدان اور گاؤں کے راستے میں خاک اڑاتے ہوئے گائے بچھڑوں کو لئے چلے آتے ہیں تب نکشتر رائے کے دل میں آتا ہے کہ اگر میں ان لوگوں کیساتھ جانے پاتا اور شام کیوقت گھر جاکر آرام کرتا تو کیسا اچھا ہوتا۔ دوپہر کی کڑی دھوپ میں کسان ہل چلا رہا ہے۔ اسے دیکھ کر نکشتر رائے سوچتے ہیں: "آہا! یہ کیسے آرام میں ہے" راستے کی تکلیف سے نکشتر رائے مضمحل۔ دُبلے اور کالے ہو گئے ہیں۔ رگھوپتی سے کہتے ہیں۔ بابا میں اب نہ بچونگا۔ رگھوپتی کہتا ہے: "ابھی تمکو مرنے کون دیگا؟" نکشتر رائے کو یقین ہو گیا کہ رگھوپتی سے بغیر چھٹی پائے ہمکو مرنے کی بھی فرصت نہیں۔ ایک عورت نکشتر رائے کو دیکھ کر بولی: "آہا! یہ کسکا لڑکا ہے؟ اسکو گھر سے کسنے باہر کیا ہے" یہ سنکر نکشتر رائے کا دل پگھل گیا۔ اسکی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ ان کی خواہش ہوئی کہ اس عورت کو ماں کہکر اسکے ساتھ اسکے گھر چلے جائیں۔

رگھوپتی کے ہاتھ سے نکشتر رائے جتنی تکلیف پانے لگے اتنا ہی وہ اسکے ماتحت ہونے لگے۔ رگھوپتی کی انگلی کے اشارے پر انکی حالت بدلنے لگی چلتے چلتے آہستہ آہستہ ندی کے پانی کی زیادتی کم ہونے لگی۔ آہستہ آہستہ سخت زمین آگے آئی۔ مٹی لال اور کنکریلی ہے۔ دور دور تک لوگوں کے گھر دکھائی دیتے ہیں۔ درخت بہت کم ہیں۔ ناریل کے جنگل والے ملک کو چھوڑکر یہ دونو مسافر تاڑ۔ بن والے ملک میں آ گئے۔ درمیان درمیان میں بڑے بڑے باندھ ہیں۔ خشک ندی کے بہنے کا راستہ ہے۔ دور کے پہاڑ بادلوں کیطرح دکھائی دے رہے ہیں آہستہ آہستہ شاہ شجاع کا دار الخلافہ راج محل قریب ہونے لگا۔

۲۸

شاہ شجاع جیسے تیسے دارالخلافہ میں پہنچگئے۔ ہار ہونے اور قید خانہ سے بھاگ نکلنے کے بعد شجاع نئی فوج جمع کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر خزانہ میں روپے کی کمی تھی۔ رعایا مالگذاری کیوجہ سے تباہ ہے۔ اسی درمیان میں اورنگ زیب دارا کو شکست دیکر دہلی کے شاہی تخت پر بیٹھ گیا یہ خبر پاکر شجاع بالکل گھبرا گئے۔ مگر لڑائی کا سامان ٹھیک نہیں تھا۔ اس سے کچھ فرصت ملجانے کی خواہش سے شجاع نے دھوکا کرکے اورنگ زیب کے پاس ایلچی بھیجدیا اس سے کہلا بھیجا کہ آنکھوں کے تارے، دل کے سرور، بہت پیارے بھائی اورنگ زیب تخت حاصل کرکے کامیاب ہوئے ہیں۔ اس سے شجاع کے مردہ جسم میں گویا دوبارہ زندگی آگئی۔ اسوقت نئے بادشاہ اگر شجاع

پر بنگال کی سلطنت کا بوجھ ڈالنا منظور کریں تو اسکے لئے خوشی کی اور کوئی بات باقی نہ رہ جائے۔

اورنگ زیب نے بڑی عزت کیساتھ ایلچی سے ملکہ شجاع کی خیریت پوچھی اور انکے بال بچوں کی خیریت جاننے کے لئے بڑی بیقراری کا اظہار کیا۔ اسنے کہا۔ جب خود بادشاہ شاہجہاں نے شجاع پر بنگال کی سلطنت کا بوجھ ڈالا ہے تب اسکے لئے پھر نیا پروانہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس موقعہ پر رگھوپتی شجاع کے دربار میں جا کر حاضر ہوا۔

شجاع نے بڑی احسانمندی اور عزت کیساتھ اپنے محسن رگھوپتی کو بلایا اور پوچھا:۔ کیا حال ہے؟

رگھوپتی نے کہا:۔ حضور کیخدمت میں کچھ عرض کرنا ہے۔

شجاع نے دل ہی دلمیں سوچا:۔ اب پھر کیسی عرض۔ کچھ روپیہ نہ مانگے تبھی ٹھیک ہے۔

رگھوپتی نے کہا:۔ میری ہر ارتھنا یہی ہے کہ

شجاع نے کہا:۔ برہمن۔ میں تمہاری آرزو ضرور پوری کرونگا۔ لیکن کچھ دن صبر کرو۔ ابھی خزانہ میں زیادہ روپیہ نہیں ہے۔

رگھوپتی نے کہا:۔ جناب عالی۔ میں سونا چاندی یا اور کوئی مال دولت نہیں چاہتا۔ میں ابھی سان پر چڑھایا ہوا لوہا چاہتا ہوں۔ میری نالش سنیئے۔ میں صرف انصاف کے لئے پرارتھنا کرتا ہوں۔

شجاع:۔ بڑی مشکل ہوئی۔ یہ انصاف کرنے کا وقت نہیں ہے۔ تم

بڑے بے موقعہ آئے۔

رگھوپتی نے کہا:۔ شاہزادہ صاحب! وقت بیوقت سبھی کے لئے ہے۔ آپ بادشاہ ہیں تو آپکے لئے بھی ہے اور میں غریب برہمن ہوں تو میرے لئے بھی ہے آپ اپنے وقت کے مطابق اپنے ہی خیال میں الجھے رہینگے تو پھر میرا وقت کہاں جائیگا۔ میرا انصاف کون کریگا؟

شجاع نے مجبور ہو کر کہا:۔ بڑی فصاحت ہے۔ اتنی باتیں سننے کی بجائے تمہاری نالش سن لینا اچھا ہے۔ کہو کیا کہنا ہے۔

رگھوپتی نے کہا:۔ تری پورا کے راجہ گوبند مانکیہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنی سلطنت سے بغیر قصور باہر نکال دیا ہے۔

شجاع غصہ ہو کر بولے:۔ "تم دوسرے کی نالش سنا کر میرے وقت کو کیوں برباد کرتے ہو۔ ابھی ان باتوں کے سوچنے کا وقت نہیں ہے۔

رگھوپتی:۔ "مدعی دارالخلافہ میں حاضر ہے۔

شجاع:۔ وہ خود حاضر ہو کر اپنے منہ سے جب نالش کریگا تب غور کیا جائیگا۔

رگھوپتی:۔ انہیں یہاں کس وقت حاضر کروں؟

شجاع:۔ برہمن کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اچھا ایک ہفتہ کے بعد اسے لے آنا۔

رگھوپتی نے کہا:۔ "حضور کا حکم ہو تو میں کل انہیں یہاں حاضر کروں۔

شجاع نے جھنجھلا کر کہا:۔ اچھا۔ کل ہی اسے یہاں لے آنا۔

آج دن بھر کیلئے شجاع نے چھٹی پائی۔ رگھوپتی وہاں سے چلا گیا۔
نکشتر رائے نے کہا:۔ نواب کے پاس جائینگے تو۔ لیکن نذرانے کے لئے کیا لے جائینگے ؟
رگھوپتی:۔ اسکے لئے تمکو جھنجھٹ نہ کرنا ہوگا۔ اسنے نذرانے کے لئے ڈیڑھ لاکھ روپے لاکر انکے آگے رکھدیئے۔
دوسرے دن صبح ہی رگھوپتی۔ ڈرتے ہوئے نکشتر رائے کو ساتھ لیکر شجاع کے دربار میں حاضر ہوا۔ جب ڈیڑھ لاکھ روپے نواب کے پاؤں کے پاس رکھے گئے تب انکا چہرہ ویسا اداس نہ رہا۔ نکشتر رائے کا دعوے بڑی آسانی سے انکی سمجھ میں آگیا۔ انہوں نے کہا:۔ بولو!۔ اسوقت تم کیا چاہتے ہو۔؟
رگھوپتی نے کہا:۔ گوبند مانکیہ کو تخت سے اتار کر ان کی جگہ نکشتر رائے کو راجہ بننے کا پروانہ دیا جائے۔
اگرچہ شجاع اپنے بھائی کا تخت چھیننے کے لئے ذرا بھی بیقرار نہیں ہیں۔ پھر بھی ایسے موقعہ پہ انکے دلمیں کچھ رکاوٹ سی آکھڑی ہوئی۔ مگر رگھوپتی کی پرارتھنا پوری کر دینا ہی انہیں فی الحال سب باتوں کے مقابلہ میں آسان معلوم ہوا۔ ایسا نہ کرنے سے رگھوپتی پھر بہت سی دلیلیں دیگا۔ یہی ڈر تھا۔ دوسرے یہ کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ نذرانہ حاصل کرنے پر بھی تردید کرنی مناسب نہ تھی۔ انہوں نے کہا:۔ اچھا گوبند مانکیہ کو راجیہ سے علیحدہ ہونے اور نکشتر رائے کو راجیہ ملنے کا پروانہ تمہیں دیا جائیگا۔ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ۔
رگھوپتی نے کہا:۔ کچھ شاہی فوج کو بھی ساتھ جانے کی تجویز کی جائے۔
شجاع نے مستقل مزاجی سے کہا:۔ "نہیں نہیں، یہ بات نہیں ہوگی۔

میں لڑائی میں ابھی اپنے آپ کو نہیں الجھا سکتا۔

رگھوپتی نے کہا۔ لڑائی کے خرچ کے لئے چھتیس ہزار روپے ہیں اور رکھ جاتا ہوں اور ترپورا کی گدی پاتے ہی نکشتر رائے ایک سال کی آمدنی فوجی کمانڈر کے ہاتھ بھیجدینگے۔

یہ تجویز شجاع کو بہت ہی مناسب معلوم ہوئی۔ وزیر بھی اس سے متفق تھے۔ مغل فوج کا ایک دستہ ساتھ لیکر رگھوپتی اور نکشتر رائے ترپورہ کیطرف روانہ ہوئے۔

۲۹

اسوقت دھرو کی عمر چار برس کی ہے۔ اب وہ بہت سی باتیں کرنی سیکھ گیاہے۔ وہ اب اپنے کو بڑا سمجھتا ہے۔ اگرچہ سب باتیں صاف نہیں بول سکتا مگر پھر بھی جو کچھ بولتا ہے خوب زور سے بولتا ہے۔۔۔۔۔۔"کھلونا دونگا" کہکر وہ اکثر راجہ کو خاص اطمینان دلانے لگا ہے۔ راجہ اگر کبھی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں۔ تو دھرو انکو۔۔۔۔۔۔"کمرہ میں بند کردونگا" کہکر خوب دھمکاتا ہے۔ راجہ ابھی اسکی سخت حکومت کے پابند ہیں۔ دھرو کی ناراضگی کا کوئی کام کرنا وہ پسند نہیں کرتے۔

اسی درمیان میں دھرو کا ایک اور پڑوسی لڑکی کے ساتھ ہوگیا۔ وہ عمر میں دھرو سے چھ مہینے چھوٹی ہے۔ دس ہی منٹ میں ان دونوں کے درمیان گہری دوستی ہوگئی۔ درمیان میں کچھ چپقلش بھی ہوگئی تھی۔ دھرو کے ہاتھ میں ایک

بڑا بنا تھا۔ پہلے محبت کے زیر اثر دھرو نے اپنی دو چھوٹی انگلیوں سے بڑی ہوشیاری کیساتھ ایک چھوٹا سا ٹکڑا توڑ کر یکدم اس لڑکی کے منہ میں رکھدیا اور بڑی خاطر تواضع سے گردن ہلا کر کہا :۔ "تم کھاؤ" اسنے اسے کھایا اور خوش ہو کر کہا :۔ "اور بھی کھاؤنگی" اب تو دھرو کچھ گھبرا گیا۔ دوستی میں اتنا دباؤ اسے جائز معلوم نہ ہوا۔ اسنے اپنی قدرتی سنجیدگی اور ہوشیاری کیساتھ سر ہلا کر۔ آنکھیں دکھا کر کہا۔۔۔۔ "اور مت کھاؤ ۔۔۔۔۔۔ بہت کھانے سے اوگن کلیگا ۔۔۔۔۔۔ بابا ماریگا ۔۔۔۔۔۔ اب اسنے جھٹ پٹ سارے بتاشے کو اپنے منہ میں ایک ہی بار رکھ لیا۔ دفعتہً اس لڑکی کے منہ کی حالت بدلنے لگی اور رونے کے آثار ظاہر ہوئے۔ دھرو کسی کا رونا برداشت نہ کرسکتا تھا۔ وہ فوراً آہستگی سے اطمینان دلاتے ہوئے بولا :۔ کل دونگا۔

راجہ کے آتے ہی دھرو بڑی ہوشیاری سے اپنی نئی سہیلی کیطرف اشارہ کرکے بولا :۔ اسے کچھ مت کہو۔۔۔۔۔ یہ روئیگی ۔۔۔۔۔۔ چھی ۔۔۔۔۔۔ اسکو مت مارو ۔۔۔۔۔ اگرچہ راجہ کو اس لڑکی پر کسی طرح کی ناراضگی نہ تھی پھر بھی جسم پر گر کر راجہ کو ہوشیار کردینا دھرو نے بہت ضروری سمجھا۔

ہوشیار لوگ جسطرح اطمینان سے دھرو کو اپدیش دیتے تھے اور بڑے کاموں سے دور رہنے کیوجہ سے دھکارتے تھے۔ اسی طرح دھرو بھی لوگوں کو بھلائی کے لئے ان اپدیشوں اور اعتراضوں کو استعمال کرنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ راجہ نے اس لڑکی کو نہیں مارا۔ دھرو نے صاف طور پر دیکھا کہ میرا اپدیش رائیگاں نہیں گیا اسکے بعد دھرو نے گارڈین کی شکل اختیار کی۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ اچھی طرح سمجھا کر وہ بڑی متانت کیساتھ اس لڑکی کو صبر کرنے کی تلقین کرنے لگا۔ اسکی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ وہ لڑکی خوبخوشی سے راجہ کے پاس جا کر حیرانی سے۔ بڑے حوصلہ کیساتھ انکے ہاتھ کا کنگن گھما گھما کر دیکھنے لگی تھی دھرو نے اپنی ہی کوشش اور ہمت سے لوگوں میں اسطرح امن اور محبت قائم کرکے راجہ کے منہ کے پاس پر مسرت دل سے اپنا کھلے ہوئے پھول جیسا خوبصورت اور نرم منہ کرکھا راجہ نے اسکے ساتھ جو اچھا سلوک کیا ہے گویا اسنے اسی کا انعام آگے رکھدیا ہے راجہ نے اسکا منہ چوما تب دھرو نے اپنی

سہیلی کا منہ دکھا کر راجہ کو کچھ صلاح اور ضد کے جذبات سے کہا :- "اس کا منہ چومو"۔ دھرو کی بات نہ ماننے کی ہمت راجہ نہیں کر سکے۔ تب وہ لڑکی بہت پرانے واقفکار کیطرح بغیر کسی قسم کی ہچکچاہٹ کے راجہ کی گود میں جا بیٹھی۔ اتنی دیر تک دھرو کے دِل میں کسی طرح کی شرارت یا چھچلتا کا جذبہ نہیں تھا۔ اس دفعہ اسکے تخت پر دباؤ پڑتے ہی اس کا وسیع پریم چنچل ہو اٹھا۔ راجہ کی گود میں اپنی واحد ملکیت قائم کرنے کی آرزو طاقت در ہو گئی۔ اس کا منہ بہت بھاری ہو گیا۔ دو ایک بار اس نے لڑکی کو کھینچا۔ یہاں تک کہ اپنے کو عمر میں کچھ بڑا سمجھ کر لڑکی کو مارنا بھی اسے اتنا نامناسب معلوم نہیں ہوا تب راجہ نے جھگڑا مٹانے کے خیال سے دھرو کو بھی اپنی گود کے آدھے حصہ میں بٹھا لیا۔ مگر تب بھی "دھرو" کا جھگڑا چلتا رہا۔ گود کے آدھے حصہ کو چھین لینے کے لئے وہ پھر نئے حملہ کی کوشش کرنے لگا۔ اسی وقت نئے راج پروہت بلون ٹھاکر کمرے میں آپہنچے۔ راجہ نے دونو کو گود سے اتار کر ان کو پرنام کیا۔ دھرو نے کہا :- پروہت جی کو پرنام کرو۔" دھرو نے اسے ضروری نہیں سمجھا۔ وہ منہ میں انگلی ڈال کر لاپرواہی سے کھڑا رہا۔ لڑکی نے خود ہی راجہ کی دیکھا دیکھی پروہت کو پرنام کیا۔

بلون ٹھاکر نے دھرو کو گود میں بٹھا کر اور ہنس کر پوچھا :- تمہاری یہ سہیلی کون ہے اور کہاں سے آئی ہے ؟

دھرو نے سوچکر کہا :- "میں ٹک ٹک پل چڑھونگا"۔

ٹک ٹک کا مطلب یہاں گھوڑے سے ہے۔ "ر" کی جگہ دھرو ابھی تک "ڑ" ہی بولتا ہے۔

پروہت نے کہا :- واہ واہ۔ میرے سوال اور تمہارے جواب کا

خوب میلان ہوتا ہے۔

یکایک دھرو کی نظر اس لڑکی پر جا پڑی۔ اسکے متعلق مختصراً اپنے دلی جذبات ظاہر کرتے ہوئے کہا: "وہ بہت شرارت کرتی ہے۔ میں اسے مارونگا" اب اس نے اپنی چھوٹی سی مٹھی باندھ کر اوپر اٹھائی۔

بلون ٹھاکر نے راجہ سے کہا:۔ مہاراج۔ آپ ان کیساتھ خوب مزے میں ہیں۔

راجہ نے دھرو کو پکارا۔ وہ اپنی سہیلی کیساتھ کھیل رہا تھا۔ راجہ نے کہا اس کو کوئی گیت سناؤ۔

دھرو خاموش ہو گیا۔ گویا وہ گیت نہ سنانا چاہتا تھا۔

پجاری نے اپنی آنکھیں ڈھانپ کر کہا: "تو میں روتا ہوں"۔

دھرو نے کچھ غمگین ہو کر کہا:۔ کل چھپنا ڈ نگا'.... چپی.... لوڈ مت .... تم ابھی کھیل جاؤ۔ بابا مالیگا.....

بلون ٹھاکر نے ہنسکر کہا:۔ اس کی بولی بڑی میٹھی ہے۔

راجہ سے اجازت لیکر پجاری جی وداع ہوئے۔

راستے میں دو آدمی جا رہے تھے۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا تین دن اسکے دروازے پر جا کر سر پھوڑا مگر ایک پیسہ بھی نہ مل سکا۔ اب وہ راستے میں کہیں ملا تو بنا اس کا سر پھوڑے نہ رہونگا۔ دیکھوں تو وہ کیا کرے گا؟

پیچھے سے بلون نے کہا:۔ اس سے کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ بابو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔ دماغ میں اور تو کچھ ہے نہیں۔ صرف بیوقوفی بھری ہے۔ دوسرے کا سر پھوڑنے کی بجائے اپنا سر پھوڑنا اچھا ہے۔ کیونکہ

اس کے لیے کسی جواب دہی نہیں کرنی پڑتی۔

وہ دونوں آدمی ڈر گئے اور جھک کر ٹھاکر کو پرنام کر کے کھڑے ہو رہے۔

بلون ٹھاکر نے کہا:۔ بابو! تم نے اچھی بات نہیں کہی۔

دونوں نے کہا:۔ ہاں! ٹھیک ہے مہاشہ۔ اب ایسی بات پھر کبھی نہ کہوں گا۔

راستے میں پجاری جی کو لڑکوں نے گھیر لیا۔ بلون ٹھاکر نے کہا:۔ آج تیسرے پہر یہاں آنا۔ میں آج کہانی سناؤنگا۔

لڑکوں نے مارے خوشی کے آپس میں کود پھاند کر "ہاں ہاں" "یہ ہیں ہیں" مچا دی۔ کسی کسی دن بلون ٹھاکر دار الخلافہ کے لڑکوں کو اکٹھا کر کے آسان ہندی بھاشا میں رامائین اور مہا بھارت کی کتھا سناتے تھے درمیان درمیان میں دو ایک خشک کہانیوں کو بھی آسان بنا کر سنانے کی کوشش کرتے تھے۔ جب دیکھتے کہ وہ اکتا گئے ہیں تو ان کو مندر کے باغیچے میں چھوڑ دیتے تھے۔ اسمیں بہت سے درخت پھلدار ہیں۔ لڑکے چلا چلا کر بندروں کیطرح درختوں پر چڑھ جاتے اور پھلوں اور پھولوں کی خوب لوٹ مچاتے تھے۔ بلون ٹھاکر کو یہ سب دیکھ کر بہت خوشی ہوتی تھی۔ بلون ٹھاکر سنیاسی مہاتما ہیں۔ وہ کس ملک کے رہنے والے ہیں یہ کسی کو معلوم نہیں۔ برہمن ہیں مگر جنیو اتار دیا ہے۔ قربانی وغیرہ بند کر کے وہ ایک نئے طریقہ سے کالی دیوی کی پوجا کر رہے ہیں۔ پہلے پہل تو لوگوں نے اسمیں شک ظاہر کیا مگر اب سب عادی ہو گئے ہیں۔ بلکہ سب لوگ خاص طور پر بلون کی باتوں کے ہی پابند ہیں۔ بلون سب کے گھر جا جا کر سب کے ساتھ بات چیت

کرتے ہیں۔ سب کی کھوج خبر لیتے رہتے ہیں اور بیماروں کو جو ادویات دیتے ہیں وہ حیرت انگیز فائدہ کرتی ہیں۔ سکھ دکھ دونوں میں سبھی لوگ انہیں کی رائے سے کام کرتے ہیں۔ وہ ثالث بنکر کسی کا جھگڑا نپٹا دیں یا کچھ فیصلہ دے دیں تو اسکے متعلق پھر کوئی کچھ نہیں بولتا۔

۳۰

اس سال تریپورا میں وہ واقعہ ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ شمال کیطرف سے جھُنڈ کے جھُنڈ چوہے تریپورا کی دھانوں کی کھیتوں میں آگھُسے۔ انہوں نے تمام دھانوں کو کاٹ ڈالا۔ یہانتک کہ کسانوں کے گھروں میں بھی جو دھان رکھے ہوئے تھے ان کو بھی زیادہ تر کھا گئے۔ ملک میں چاروں طرف ہائے ہائے مچ گئی دیکھتے دیکھتے قحط پڑ گیا۔ لوگ جنگل سے پھل پھول لا لاکر زندگی قائم رکھنے لگے جنگل کی کمی نہیں ہے۔ جنگل میں انسانوں کے پیٹ کی آگ بجھانے والے طرح طرح کے پودے ہیں۔ شکار کرکے لائے ہوئے جنگلی جانوروں کا گوشت بازار میں مہنگے داموں پر فروخت ہونے لگا۔ جنگل میں کھانے لائق پرندوں کی کمی نہیں ہے۔ جگہ جگہ ندی کا پانی روک کر اس میں زہریلی بیلیں ڈال دیتے ہیں۔ جس سے مچھلیاں اچھل کر اوپر چلی آتی تھیں۔ ان مچھلیوں کو پکڑ کر لوگ کھانے لگے اور کچھ خشک کرکے جمع بھی کرنے لگے۔

بلون ٹھاکر گھر گھر گھوم کر سب سے ڈھارس بندھانے لگے اور کھانے کے متعلقہ سامانوں کو جمع کرنے کی سینکڑوں تدابیر بتانے لگے۔ انہوں نے بتا دیا

کہ جنگل میں ایک قسم کا پودا ہوتا ہے۔ جس کے بیج بہت چھوٹے چھوٹے ہوتے
ان بیجوں کو آگ پر بھوننے سے دودھ کیطرح سفید چیز نکلتی ہے۔ وہ تھوڑی سی
کھالی جائے تو بہت جلدی بھوک مٹ جاتی ہے۔ اب بھی لوگوں کا کام
چل ہی رہا ہے۔ مگر ہاہا کار بہت ہے۔ کہیں کہیں چوری ڈکیتی بھی ہونے لگی ہے
پرجا میں بغاوت کے آثار پیدا ہوئے۔ وہ لوگ کہنے لگے :۔ دیوی کی قربانی
بند کر دی گئی اسی بد دعا سے یہ باتیں ہونے لگی ہیں"۔ بلون ٹھاکر نے اس
بات کو ہنسکر اڑا دیا۔ انہوں نے کہا :۔ کیلاش پہ کارتیکے (ایک دیوتا کا نام)
اور گنیش (دیوتا) کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا ہے۔ کارتیکے کے مور گنیش کے
چوہے تر پورا بھگوتی کے ہاں نالش کرنے آئے ہیں۔ لوگوں نے اسے مذاق
نہیں سمجھا۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ پجاری کی بات سولہ آنے صحیح نکلی۔ چوہوں
کی فوج جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے سب دھانوں کو تباہ و برباد
کر کے نہ معلوم کہاں غائب ہو گئی۔ تین دن کے اندر پھر اس کا کہیں نام و
نشان نہ رہا۔ بلون ٹھاکر کو بہت زیادہ گیان (واقفیت) ہے اس کے
متعلق کسی کو کچھ شک باقی نہ رہا۔

بلون ٹھاکر کے مشورہ سے گوبند مانکیہ نے قحط زدہ رعایا کا ایک
سال کا لگان معاف کر دیا۔ اس کا نتیجہ بہت اچھا ہوا۔ اس پر بھی کئی لوگ
دیوی کی بد دعا سے ڈر کر چیگاؤں کے پہاڑی علاقہ میں بھاگ بھاگ کر
جانے لگے۔ یہاں تک کہ خود راجہ کے دل میں بھی شک ہونے لگا۔ انہوں نے
بلون ٹھاکر کو بلا کر کہا :۔ پجاری جی! راجہ کے ہی گناہوں سے رعایا کو تکلیف
ہو رہی ہے۔ کیا میں نے دیوی کی قربانی بند کر کے پاپ کیا ہے؟ کیا
اسی کی یہ سزا ہے۔

بلون ٹھاکر نے ان باتوں کو یکدم اڑا دیا اور کہا۔ دیوی کے آگے
جب ہزار آدمیوں کی قربانی دی جاتی تھی تب آپ کی رعایا کا زیادہ نقصان
ہوتا تھا یا اس قحط سے زیادہ ہوا ہے؟

مہاراج اس کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ مگر ان کے دل کا شک مکمل
طور پر دور نہ ہوا۔ رعایا ان سے ناراض ہے۔ ان پر شک کرتی ہے۔ ان
باتوں کی چوٹ ان کے دل پر لگی۔ یہی کیوں۔ ان باتوں سے خود ان کو اپنے
اوپر شک ہو گیا ہے۔ انہوں نے لمبی سانس لیکر کہا:۔ "کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا"

بلون ٹھاکر نے کہا:۔ زیادہ سمجھنے کی ضرورت کیا ہے؟ چوہوں کی طرح
آکر دھانوں کو برباد کر گئی۔ اسکی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس سے کیا مطلب؟
میں ناانصافی نہ کرونگا۔ میں سب کی بھلائی کرونگا۔ اتنا سمجھ لینے سے ہی
سب کچھ ہو گیا۔ اسکے بعد قدرت کا جو کام ہے وہ خود کریگی۔ وہ ہم لوگوں
کو حساب دینے نہ آئے گی۔

راجہ نے کہا۔ تم گھر گھر گھوم کر برابر اپنے فرض کی ادائیگی کرتے رہو۔ جتنا
دنیا کا بھلا کر رہے ہو۔ اتنی ہی دعائیں تم لے رہے ہو۔ اس خوشی میں تمہارے
سب شکوک دور ہو جاتے ہیں۔ میں دن رات سر پر تاج رکھے تخت پر بیٹھا
رہتا ہوں۔ ہر وقت تفکرات کا بوجھ میرے سر پر رہتا ہے۔ تمہارا کام دیکھ
دیکھ کر میرا جی ترستا ہے۔

بلون ٹھاکر نے کہا:۔ مہاراج میں تو آپ کا ہی ایک جزو ہوں۔ اگر
آپ اس تخت پر نہ ہوتے تو میں کس طرح یہاں آتا۔ آپ اور ہم دونوں کر
مکمل ہوتے ہیں۔ یہ کہہ کر بلون ٹھاکر وداع ہوئے۔ راجہ سر پر تاج رکھ کر
سوچنے لگے۔ انہوں نے دل ہی دل میں کہا کہ مجھے ابھی بہت سے کام کرنے

ہیں۔ پر مجھ سے کچھ کرتے نہیں بنتا۔ میں اپنے تفکرات کو لیکر ہی بےفکر رہتا ہوں اسی وجہ میں اپنے اوپر رعایا کا اعتماد پیدا نہیں کرا سکتا۔ میں حکومت کے لائق نہیں ہوں۔

۳۱

مغل فوج کے کمانڈر ہو کر نکشتر رائے راستے میں تنتیل نام کی ایک چھوٹی سی بستی میں ٹھہرے تھے۔ صبح ہی رگھوپتی نے آکر کہا:۔ اب یہاں سے چلنا چاہئے۔

مہاراج چلنے کے لئے تیار ہوں ؟

رگھوپتی کے منہ سے یکایک مہاراج لفظ بہت ہی میٹھا معلوم ہوا۔ نکشتر رائے خوشی سے پھول اٹھے۔ عالم تصور میں دنیا کے تمام لوگوں کے منہ سے انہیں مہاراج کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ دربار کرنے کیلئے جگمگاتے ہوئے تری پورا کے اونچے تخت پر جا بیٹھے۔ امنگ میں آکر بولے:۔ پروہت جی! میں آپ کو کبھی الگ نہ ہونے دوں گا۔ آپ کو برابر دربار میں رہنا ہوگا۔ آپ کیا چاہتے ہیں یہی ذرا مجھے کہہ سنائیے۔

نکشتر رائے نے دل ہی دل میں گویا مذاق کے طور پر رگھوپتی کو فوراً زمین کا ایک بڑا حصہ جاگیر میں دے ڈالا۔ رگھوپتی نے کہا:۔ "میں کچھ نہیں چاہتا"۔ نکشتر رائے نے کہا:۔ یہ نہیں ہوگا۔ کچھ نہ کچھ آپ کو لینا ہی ہوگا۔ کیلاس نام کا پرگنہ میں نے آپ کو دے دیا۔ آپ مجھ سے ابھی لکھوا لیجئے۔

رگھوپتی نے کہا :- یہ باتیں پیچھے دیکھی جائیں گی۔
نکشتر رائے :- پیچھے کیوں۔ میں ابھی دیتا ہوں۔ سارا کیلاس پرگنہ آپ کا ہوا۔ میں آپ سے رگان میں ایک پیسہ بھی نہ لوں گا۔
اب نکشتر رائے سر اٹھا کر اور سینہ تان کر بیٹھے۔
رگھوپتی :- مرنے کیلئے تین ہاتھ زمین مل جانے سے ہی سکھی ہوں۔ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔
رگھوپتی چلا گیا۔ اس کو جے سنگھ کی یاد آئی۔ جے سنگھ اگر زندہ رہتا۔ تو انعام کے طور پر کچھ لے بھی لیتا۔ جب جے سنگھ نہیں ہے تب سارا تریپورا راجیہ رگھوپتی کیلئے مٹی کے ڈھیر کے برابر ہے۔
رگھوپتی اب نکشتر رائے کو حکومت کے نشہ سے بدمست کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے دل میں یہ ڈر ہے کہ اتنا انتظام کرنے کے پیچھے کہیں سب فضول نہ جائے۔ کہیں یہ نہ ہو کہ کمزور دل نکشتر رائے تریپورا جا کر بغیر لڑائی کئے ہی راجہ کے یہاں اپنے آپ کو گرفتار کرا دیں۔ مگر کمزور دل میں ایک دفعہ حکومت کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ تو پھر کوئی فکر نہیں۔ رگھوپتی اب نکشتر رائے کو نفرت کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ بات بات میں ان کی عزت کرتا ہے سب باتوں میں ان کی صلاح لیتا اور ان کے زبانی مشورہ پر سب کام کرتا ہے۔ مغل فوج ان کو مہاراج صاحب کہتی ہے۔ انہیں دیکھ کر سپاہی جھٹ پٹ اٹھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ہوا تیز چلنے سے جس طرح دھانوں کے سر جھک جاتے ہیں۔ اسی طرح نکشتر رائے کو آتا دیکھ کر قطار در قطار مغل فوج سر جھکا کر سلام کرتی ہے۔ فوجی کمانڈر بڑی عزت کے ساتھ انہیں لمبا سلام کرتے ہیں۔ سینکڑوں ننگی تلواروں کے درمیان اونچے ہاتھی کی پیٹھ پر شاہی نشان والے

سنہری پردے میں بیٹھ کر وہ چلتے ہیں۔ ساتھ ساتھ حوصلہ افزا باجے بجتے جاتے ہیں۔ شاہی نشان والا پرچم پھراتا ہوا آگے آگے چلتا ہے۔ وہ جس گاؤں سے ہو کر جاتے ہیں۔ اس گاؤں کے لوگ فوج کے ڈر سے مکانوں کے دروازوں کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو اس طرح ڈر کر بھاگتے دیکھ نکشتر رائے کے دل میں غرور پیدا ہونے لگتا ہے۔ ان کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ وہ عالمگیر فتح حاصل کر کے جا رہے ہیں۔ نکشتر رائے ان لوگوں کو مغلوب راجہ سمجھتے ہیں اور مہابھارت کے عالمگیر فاتح پانڈوں ...... کی بات انہیں یاد آتی ہے۔

ایک دن سپاہیوں نے آکر نکشتر رائے کو سلام کیا۔ وہ تن کر بیٹھ گئے۔ سپاہیوں نے کہا :۔ مہاراجہ صاحب! ہم لوگ آپ کے لئے جان دینے آئے ہیں۔ ہم لوگ جان کی پرواہ نہیں رکھتے۔ ہمارا یہ ہمیشہ کے لئے قاعدہ ہے کہ جس راستے سے لڑائی کرنے جاتے ہیں اس راستہ کے آس پاس کے گاؤں کو لوٹتے جاتے ہیں۔ اس میں کوئی ہرج ہے۔ ایسا کسی شاستر (مقدس کتاب) میں نہیں لکھا ہے۔

نکشتر رائے نے سر ہلا کر کہا :۔ ٹھیک بات۔ ٹھیک بات؟

فوجیوں نے کہا :۔ برہمن نے ہم لوگوں کو لوٹ مار کرنے سے منع کیا ہے ہم لوگ جان دینے جا رہے ہیں اور کچھ لوٹ مار بھی نہ کر سکیں۔ یہ بہت ظلم ہے۔

نکشتر رائے پھر سر ہلا کر بولے :۔ ٹھیک بات۔ ٹھیک بات

مہاراج کا حکم ہو تو ہم لوگ برہمن کی بات نہ مان کر لوٹ مار کرتے چلیں

نکشتر رائے نے غرور سے کہا :۔ برہمن کون ہوتے ہیں؟ وہ کب

جلتے ہیں؟ میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں۔ تم لوگ مزے سے لوٹ مار کرتے چلو"۔ ایک دفعہ ادھر ادھر گھوم کر دیکھا کہیں بھی رگھوپتی کو نہ دیکھ کر انہیں اطمینان ہوا۔ رگھوپتی کو اس لاپرواہی سے خفیف کر کے وہ دل میں بہت خوش ہوئے۔ حکومت کا نشہ شراب کیطرح ان کی نس نس میں سرایت کرنے لگا۔ وہ دنیا کو نئے زاویہ نظر سے دیکھنے لگے۔ خیالی ہوائی جہاز پر چڑھ کر وہ اس زمین کو بہت نیچے بادلوں کی طرح رنگین دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ درمیان درمیان میں کبھی کبھی رگھوپتی کو بھی کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ یکایک نشے سے چور ہو کر گوبند مانکیہ پر غصہ ہو اٹھے۔ دل ہی دل میں بار بار کہنے لگے:-
"مجھ کو جلا وطنی کی سزا۔ مجھ کو عام رعایا کی طرح کچہری میں کھڑا کیا۔ اس دفعہ دیکھتا ہوں کون کسے جلا وطن کرتا ہے۔ اس دفعہ تریپورا کی ساری رعایا کو نکشتر رائے کا رعب و دبدبہ معلوم ہو جائے گا"۔ نکشتر رائے غرور سے پھول گئے۔ بیچارے بے قصور دیہاتیوں پر فضول مظالم اور لوٹ مار سے رگھوپتی کو سخت نفرت تھی۔ اس نے ان باتوں کو روکنے کے لئے بہت تدابیر کیں۔ مگر مغل فوج نے نکشتر رائے کا حکم پا کر رگھوپتی کی باتوں پہ دھیان نہ دیا۔ آخر رگھوپتی نے نکشتر رائے سے جا کر کہا:" ان بیچارے بے بس گاؤں والوں پہ یہ مظالم کیوں؟
نکشتر رائے نے کہا:" تم ان باتوں کو کیا سمجھو"۔ لڑائی کے موقعہ پہ فوج کو لوٹ مار سے روک کر حوصلہ شکنی کرنا مناسب نہیں۔
نکشتر رائے کی بات سن کر رگھوپتی کچھ حیرت میں آ گیا۔ یکایک نکشتر رائے کا اتنا غرور دیکھ کر وہ دل ہی دل میں ہنسا اور ظاہرا طور پر کہنے لگا:-
" ابھی لوٹ مار کی اجازت دینے سے پیچھے ان لوگوں کو سنبھالنا مشکل

ہوگا۔ یہ لوگ تمام ترپورا کو لوٹ لیں گے۔
نکشتر رائے نے کہا:۔ اس میں نقصان ہی کیا ہے؟۔ میں تو یہی چاہتا ہوں۔ ترپورا ایک دفعہ سمجھے تو کہ نکشتر رائے کو جلا وطن کرنے کا کیا انجام ہوا تم اس بارہ میں کچھ نہیں سمجھتے۔ تم نے جنگ ہی کب کیا ہے جو ان باتوں کو سمجھو گے؟

اس بات کو سن کر رگھوپتی دل ہی دل میں بہت خوش ہوا نکشتر رائے کی باتوں کا کچھ جواب نہ دے کر وہ چلا گیا۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ نکشتر رائے بالکل کاٹھ کے پتلے کی طرح نہ رہیں۔ وہ کچھ ہوشیاری بھی سیکھیں۔

۴۲

ترپورا میں جب چوہوں کی گڑبڑ شروع ہوئی تھی اس وقت ساون کا مہینہ تھا۔ کھیتوں میں مکی کے پھل آ گئے تھے اور پہاڑی زمین میں دھان پکنے لگے تھے۔ تین مہینے کسی طرح گذر گئے۔ جب دھان کاٹنے کا وقت آیا تو ملک میں ہر طرف مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ایسے وقت خبر آئی کہ نکشتر رائے بے شمار فوج کیساتھ ترپورا کی حدود پر حملے کے لئے آپہنچا ہے۔ فوج نے خاص طور پر لوٹ مار اور رعایا پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے ہیں۔ اس خبر سے تمام ملک کانپ اٹھا۔ یہ خبر راجہ کے دل میں چھری کیطرح چبھ گئی۔ ٹھہر ٹھہر کر ان کے دل میں یہ بات اٹھنے لگی۔ نکشتر رائے ہم پر حملہ کرنے آ رہے ہیں۔ وہ نکشتر رائے کے اس

قدرتی خوبصورت چہرہ کو بار بار اپنی محبت بھری آنکھوں کے سامنے دیکھنے لگے۔ اسی کیساتھ یہ بھی دل میں آنے لگا کہ وہی نکشتر رائے بڑی بھاری فوج کیساتھ، ہاتھ میں تلوار لئے ہم پر حملہ کرنے کیلئے آرہے ہیں۔ وہ دل میں کہنے لگے :۔" ساتھ ایک سپاہی تک نہ لیکر نکشتر رائے کے سامنے اس بڑے میدان جنگ میں، چھاتی پھیلا کر کھڑے ہو جائیں اور نکشتر رائے کے ہزاروں فوجیوں کی تلواریں یکلخت ہمارے جسم کا خون پئیں۔ انہوں نے دھرو کو اپنے پاس کھینچکر کہا :۔" دھرو۔ کیا تو بھی اس تاج کے لئے میرے ساتھ جھگڑا کرے گا۔" تاج کو زمین پر گرا دیا۔ ایک موتی کا بڑا دانہ ٹوٹ کر گر پڑا۔

دھرو نے حوصلہ کیساتھ بڑھ کر کہا :۔ میں لُونگا۔

راجہ نے دھرو کے سر پر تاج رکھ کر اور اسے گود میں بٹھا کر کہا :۔ یہ لو۔ میں کسی کیساتھ جھگڑا کرنا نہیں چاہتا۔

انہوں نے بڑی خوشی سے دھرو کو چھاتی سے لگا لیا۔ اسکے بعد سارا دن :۔" یہ صرف میرے پاپ کا انجام ہے" کہکر۔ راجہ اپنی آتما کیساتھ بحث کرنے لگے۔ پاپ کے پیدا ہونے کے بغیر بھائی کبھی بھائی کے اوپر حملہ نہیں کر سکتا۔ اسی بات کو دل میں سوچکر۔ انہیں کچھ اطمینان ہوا انہوں نے مان لیا کہ یہ ایشور کی ہی تحریک ہے۔ ایشور کے دربار سے ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ نکشتر رائے کی کیا طاقت ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی کر سکے۔ یہی مان کر ان کے ٹوٹے ہوئے دل کو کچھ صبر ملا۔ وہ اپنے ہی سر پاپ لینے کو راضی ہیں۔ اس سے نکشتر رائے کے اوپر سے گویا کتنے ہی گناہوں کا بوجھ ہٹ گیا۔

بلون ٹھاکر نے آ کر کہا:۔ "یہ وقت کیا آسمان کی طرف دیکھ کر سوچنے کا ہے؟"

راجہ نے کہا:۔ "یہ سب میرے پاپ کا نتیجہ ہے۔"

بلون نے کچھ غصہ ہو کر کہا:۔ مہاراج ان باتوں کے سننے میں بیچین ہوا جاتا ہوں۔ یہ کس نے کہا ہے کہ دکھ پاپ کا ہی پھل ہے دھرم کا پھل بھی دکھ میں ہو سکتا ہے۔ کتنے ہی نیک انسانوں نے دکھ میں ہی اپنی زندگیاں گذاری ہیں۔ دھرم کا پھل سکھ نہیں ہے۔ دھرم کا پھل دھرم ہی ہے

راجہ نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔

بلون ٹھاکر نے کہا:۔ مہاراج نے کیا کچھ پاپ کیا تھا۔ جس سے یہ واقعہ ہوا ہے؟

راجہ نے کہا:۔ اپنے بھائی کو جلا وطن کر دیا تھا۔

بلون ٹھاکر نے کہا:۔ آپ نے اپنے بھائی کو نہیں نکالا۔ بلکہ ایک مجرم کو جلاوطن کیا ہے۔

راجہ:۔ قصوروار ہونے پر بھی بھائی کو نکالنے کا پاپ ضرور ہے۔ اس پاپ کا پھل کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ اگرچہ دریودھن وغیرہ بدچلن تھا پھر بھی انہیں مار کر پانڈو راجیہ کو آرام اور امن سے نہیں بھوگ سکے۔ پھر ہون یگیہ کر کے انہوں نے اس گناہ کا کفارہ کیا۔ پانڈوں نے لڑ کر جیتے جی کوروؤں کا راجیہ حاصل کر لیا اور کوروؤں نے مر کر ہی پانڈوں کا راجیہ چھینا۔ یعنی متعلقین کی جدائی سے مضطرب ہو کر پانڈو حکومت نہ کر سکے میں نے نکشتر کو نکالا ہے۔ اب وہ مجھ کو نکالنے آ رہا ہے۔

بلون:۔ پانڈوں نے پاپ کی شانتی کے لئے کوروؤں کے ساتھ لڑائی نہیں کی تھی۔ ان لوگوں نے تو حکومت حاصل کرنے کیلئے ہی لڑائی کی

تھی۔ مگر مہاراج نے گناہ کے کفارہ کے لیے اپنے سکھ دکھ کا کچھ خیال نہ کر کے دھرم پالن کیا ہے۔ اس میں پاپ کی بات تو میں کچھ بھی نہیں دیکھتا اگر آپ اسے پاپ ہی سمجھتے ہوں تو کفارہ کا ڈھنگ بتانے سے مجھے کوئی انکار نہیں۔ میں برہمن ہوں۔ مجھے مطمئن کر دینے سے ہی گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔

راجہ مسکرا کر چپ ہو گئے۔

بلون ٹھاکر نے کہا:۔ جو ہو ابھی جنگ کی تیاری کیجیے۔ اب انتظار کرنا مناسب نہیں۔

راجہ نے کہا:۔ میں لڑائی نہ کروں گا۔

بلون ٹھاکر نے کہا:۔ یہ کیسے ہو گا؟۔ آپ بیٹھے سوچا کریں میں ابھی فوج اکٹھی کرنے جاتا ہوں۔ اس وقت سب رعایا اپنے اپنے کھیتوں پر ہے۔ ابھی پورے طور سے فوجیوں کا ملنا مشکل ہے۔ یہ کہہ کر کسی جواب کا انتظار کیے بغیر ہی بلون ٹھاکر چلے گئے۔

شرجا نے یکایک دھرو کے دل میں کیا ہو گیا کہ اس نے راجہ کے پاس آکر اور ان کے منہ کی طرف دیکھ کر پوچھا:۔ کاکا کہاں ہیں؟

راجہ نے کہا:۔ کاکا آرہے ہیں“..... ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

۳۳

بلون ٹھاکر کے سر پہ ایک اہم ذمہ داری آپڑی۔ انہوں چٹاگانگ

کے پہاڑی علاقہ میں طرح طرح کی تدبیروں سے سفیر بھیجے اور گوگی قوم کے پردھان کو کہلا بھیجا کہ گوگی فوجوں کے ذریعہ آپ آکر امداد کریں۔ جنگ کا نام سُن کر وہ لوگ خوشی کے مارے اچھل پڑے۔ کوکی جاتی کے جتنے لیڈر تھے ان سب سے جنگ کا پیغام سفیروں کے ذریعہ گاؤں گاؤں میں پہنچا دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کوکی فوج کے دستے چٹاگانگ کے پہاڑوں سے ترپورا کے پہاڑ پر آپہنچے۔ ان لوگوں کو کسی قاعدہ کا پابند کر کے رکھنا مشکل ہے بلون ٹھاکر نے خود ترپورا کے گاؤں گاؤں میں جاکر اچھے اچھے ہٹے کٹے بہادر نوجوان کو چُن چُن کر فوج میں بھرتی کیا۔ بلون ٹھاکر نے آگے بڑھ کر مغل فوج پر حملہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے یہی سوچا کہ جب وہ لوگ کھلے میدان کو پار کر کے کچھ سخت پہاڑی راستے میں آئیں گے تب جنگل اور پہاڑ کے بیشمار خفیہ مقامات سے یکایک ان پر حملہ کر کے انہیں محو حیرت بنا دینگے انہوں نے اپنی شکست کی بات سوچ کر بڑے بڑے پتھروں سے ندی کا پانی روک لیا۔ یہ اسلئے کہ جب مغل فوج ندی کے پاس آئے گی تب اسی پانی کے ذریعہ اسے بہا دیں گے۔

ادھر بخشتر رائے ملک کو لوٹتے ہوئے ترپورا کے پہاڑی علاقہ میں آپہنچے۔ دھان کی کٹائی ختم ہو چکی ہے۔ سبھی کسان تیز کمان لے کر لڑنے کے لئے تیار ہیں۔ گوکی فوج حملہ کرنے کے لئے تیار ہو گئی۔ جھرنے کے پانی کی لہروں کی طرح روکے سے بھی نہیں رکتی۔

گوبند مانکیہ نے کہا: "لڑائی نہ کرونگا"

بلون ٹھاکر:۔ مہاراج آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔!

راجہ:۔ میں حکومت کرنے کے لائق نہیں۔ اسی بات کے یہ سب آثار

ہیں۔ اسی سے رعایا کی عقیدت مجھ سے نہیں رہی۔ اسی لئے قحط پڑ گیا ہے ا
اسی وجہ سے لڑائی کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ حکومت ترک کر دینے
کیلئے پرماتما کے یہ سب اشارے ہیں۔

بلون نے کہا :۔ یہ بھگوان کے اشارے نہیں۔ پرماتما نے حکومت کا
بوجھ تمہارے کندھوں پر رکھا ہے۔ جتنے وقت تک حکومت کا انتظام
سہولیت سے چلتا رہا۔ اتنے دنوں تک آپ نے اپنے آسان فرض کی
ادائیگی کی۔ جب سلطنت کا بوجھ کچھ بھاری ہوا تب تم اسے دور پھینک
کر آزاد ہونے کیلئے۔ ایشور کا حکم بتا کر۔ لوگوں کو دھوکا دیتے ہو اور اپنے
کو آرام میں رکھنا چاہتے ہو۔

یہ بات گوبند مانکیہ کے دل میں اتر گئی۔ وہ چپ ہو کر کچھ دیر بیٹھے رہے
پھر مضطرب ہو کر بولے :۔ مان لو کہ میری شکست ہوئی ہے اور نکشتر را
مجھ کو مار کر راجہ ہوئے تو۔

بلون :۔ اگر حقیقت میں یہ سب کچھ ہو گا۔ تو مہاراج کیلئے میں فکر
کرونگا۔ مگر مہاراج اگر اپنے فرض سے منہ موڑ کر بھاگ جائیں گے تو ہم لوگوں
کو ضرور افسوس ہوگا

راجہ کچھ پریشان ہو کر بولے :۔ اپنے بھائی کا خون بہاؤں ؟

بلون :۔ فرض کے سامنے بھائی بہن کوئی نہیں۔ کوروکشیتر کی لڑائی
کیوقت شری کرشن چندر نے ارجن کو کیا اپدیش دیا تھا ؟۔ یاد ہے ؟۔

راجہ :۔ تمہارا مطلب یہی ہے نا کہ میں اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر نکشتر
کو ماروں ؟"

بلون :۔ "ہاں !"

دھرو نے اچانک آکر بڑی متانت سے کہا :۔ "چھی ! ایسی بات نہ کہو"۔ دھرو کھیل رہا تھا۔ ان دونوں کا بحث مباحثہ سن کر اس نے سمجھا کہ یہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ اسلئے ایسے موقعہ پر دونوں کو ڈانٹنا ضروری ہے۔ یہ سوچکر اس نے دفعتہً وہاں آکر اور سر ہلاکر کہا :۔ "چھی ! یہ بات نہ کہو"۔

بلون ٹھاکر کو اس کی یہ بات سن کر بہت خوشی ہوئی۔ وہ ہنس پڑے اور دھرو کو گود میں بٹھا کر اس کا مُنہ چومنے لگے۔ راجہ کو ہنسی نہ آئی۔ ان کو ایسا معلوم ہوا گویا ہم نے اس بچہ کے مُنہ سے قدرت کی آواز سنی ہے۔ وہ بغیر شک و شبہ لہجہ میں بولے :۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ میں خون بہنے کا موقعہ نہ آنے دونگا۔ میں لڑائی کبھی نہ کروں گا۔

بلون ٹھاکر کچھ دیر چپ رہے۔ آخر انہوں نے کہا :۔ اگر مہاراج لڑائی کرنا نہیں چاہتے تو دوسرا کام کریں۔ نکشتر رائے سے مل کر آپ انہیں لڑائی کرنے سے روکیں۔

بلون ٹھاکر کی اس رائے کو گوبند مانکیہ نے پسند کیا۔

بلون ٹھاکر نے کہا :۔ اس مطلب کا ایک خط لکھ کر نکشتر رائے کے پاس بھیجا جائے۔

آخر اس بات کا فیصلہ ہوا۔

۳۴

نکشتر رائے فوج کیساتھ آگے بڑھنے لگے۔ کہیں رکاوٹ پیش نہ

آئی۔ ترپورا کے جس گاؤں میں وہ گئے وہیں سب لوگوں نے راجہ تسلیم کرکے ان کی عزت کی۔ قدم قدم پر وہ شاہی رتبہ کا احساس کرنے لگے۔ ان کی خواہشات کی مقدار زیادہ ہی زیادہ بڑھنے لگی۔ ...... وہ سمجھنے لگے کہ چاروں طرف کے لمبے چوڑے کھیت، گاؤں۔ پہاڑ اور ندی وغیرہ سب میرے ہیں۔ ان حقوق کی ترقی کیسا تھ وہ اپنے آپ کو بہت بڑا اقبال مند شخص سمجھنے لگے۔ مغل فوج جب جو چاہتی تھی تبھی آپ اس کے لئے ویسے ہی احکامات صادر کرتے تھے۔ نکشتر سمجھتے تھے کہ وہ میرے ہی ہیں اور میری حکومت میں آگئے ہیں۔ ان لوگوں کو کسی آرام سے محروم رکھنا مناسب نہیں مغل فوج جب اپنے ملک کو واپس جائیگی تب ہماری خاطرداری کی۔ فراخ دلی کی اور فیاضی کی بہت بہت تعریف کریگی اور کہیگی :۔ ترپورا کے راجہ کچھ ایسے ویسے نہیں" مغل فوج سے دادِ تحسین حاصل کرنے کیلئے وہ ہمیشہ آرزومند رہا کرتے تھے۔ سپاہی لوگ نکشتر رائے کے متعلق جب کبھی کوئی تعریف سے بھرے ہوئے الفاظ کہتے تھے تب وہ پانی پانی ہو جاتے تھے۔ انہیں ہمیشہ اس بات کا ڈر لگا رہتا تھا۔ کہ کہیں پیچھے کسی طرح کی میری شکایت نہ ہو۔

رگھوپتی نے حیران ہو کر کہا :" لڑائی کی کوئی تیاری نظر نہیں آتی"

" معلوم ہوتا ہے ڈر گئے"۔ کہہ کر نکشتر رائے خوب زور سے ہنسنے لگے۔

رگھوپتی نے ہنسنے کی کوئی خاص وجہ نہیں دیکھی۔ تو بھی وہ ہنسنے لگا۔

نکشتر رائے نے کہا :۔ نواب کی فوج لیکر نکشتر رائے آئے ہیں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

رگھوپتی :۔" دیکھئے! اس دفعہ کون کسے جلاوطن کرتا ہے"۔

میں چاہوں تو جلا وطنی کی سزا دے سکتا ہوں۔ قید بھی کر سکتا ہوں اور پھانسی پر بھی چڑھا سکتا ہوں۔ کیا کروں گا ابھی کچھ فیصلہ نہیں کیا ہے۔" یہ کہہ کر نکشتر رائے متفکرانہ انداز میں غور کرنے لگے۔

رگھوپتی :۔ "مہاراج! آپ اتنا غور خوض نہ کریں۔ اب بھی بہت وقت ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں گوبند مانکیہ بغیر لڑائی کئے ہی آپ کو نہ ہرا دے"

نکشتر رائے :۔ "یہ کیونکر ہو گا؟"

گوبند مانکیہ اپنی فوج کو کسی جگہ چھپا رکھیں گے اور خاص شکل میں برادرانہ محبت کا اظہار کر کے آپ کو گلے لگا کر کہینگے :۔ میرے چھوٹے بھیا۔ چلو گھر چلو چل کر مکھن مصری کھاؤ۔" تب مہاراج رو کر کہیں گے :۔ جو آپ کا حکم میں ابھی چلتا ہوں۔ دیر کرنے کی ضرورت کیا؟" یہ کہہ کر فوراً ناگوری جوتے پہن کر بھائی جی کے پیچھے پیچھے سر نیچا کر کے ٹٹو کی طرح چلا ئینگے۔ بادشاہ کی مغل فوج یہ تماشہ دیکھ کر ہنستے ہنستے لوٹ جائے گی۔"

رگھوپتی کے منہ سے یہ سخت مذاق سن کر نکشتر رائے بہت ہی بے چین ہوئے ہنسنے کی کوشش کی مگر ہنس نہ سکے۔ انہوں نے کہا :۔ کیا انہوں نے مجھے چھوٹا سا بچہ سمجھ رکھا ہے۔ جو اس طرح دھوکا دے دینگے۔ ایسا کبھی نہ ہو گا۔

اسی دن گوبند مانکیہ کی چٹھی لے کر ایک ایلچی نکشتر رائے کے خیمے میں آپہنچا۔ وہ چٹھی رگھوپتی کے ہاتھ لگی۔ اس نے اسے کھول کر پڑھا۔ راجہ (گوبند مانکیہ) نے خاص محبت کا جذبہ ظاہر کرتے ہوئے ملاقات کیلئے استدعا کی تھی۔ رگھوپتی نے نکشتر رائے کو چٹھی نہ دکھائی۔ اس نے ایلچی کو یہ کہہ کر وداع کر دیا کہ گوبند مانکہ کو تکلیف اٹھا کر اتنی دور آنے کی ضرورت نہیں۔ مہاراج نکشتر رائے اپنی فوج اور تلوار لیکر جلدی ہی ان سے ملیں گے۔ اتنے ہی تھوڑے

وقت میں گویا بھائی کی جدائی سے وہ زیادہ بیقرار ہو گئے ہیں۔ آٹھ سال تک ان کی جدائی کو وہ کیسے برداشت کر سکے؟

رگھوپتی نے نکشتر رائے سے جا کر کہا کہ گوبند مانکیہ نے اپنے جلاوطن چھوٹے بھائی کو ایک بہت محبت بھرا خط بھیجا ہے۔

نکشتر رائے نے بڑی لاپرواہی کا اظہار کرتے ہوئے ہنسکر کہا:۔ کیا سچ مچ چھٹی بھیجی ہے؟۔ کہاں ہے؟ دیکھیں۔ چھٹی لینے کیلئے انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔

رگھوپتی:۔ میں نے وہ خط مہاراج کو دکھانا ضروری نہیں سمجھا۔ خط پڑھ کر اسی وقت چاک کر دیا اور ان کے ایلچی سے کہدیا کہ لڑائی کے علاوہ اس کا اور کوئی جواب نہیں۔

نکشتر رائے نے ذرا ہنسکر کہا:۔ تم نے کہا ہے۔ لڑائی کے علاوہ اس کا اور کوئی جواب نہیں۔ اچھا جواب دیا ہے"؟

رگھوپتی:۔ یہ جواب سن کر گوبند مانکیہ سوچیں گے کہ جب سلطنت سے باہر نکالدیا تھا۔ تب تو میرا بھائی بہت ہی سیدھے طور پر چلا گیا تھا مگر وہی بھائی گھر لوٹ آنے کے وقت آج بھاری بکھیڑا کھڑا کر رہا ہے

وہاں! اب سمجھیں گے کہ میرا بھائی عام آدمی نہیں ہے۔ جب جی چاہے گا نکال دیں گے اور جب جی میں آئے گا بلالیں گے یہ اب نہ ہوگا" یہ کہہ کر نکشتر رائے بڑی خوشی سے ہنسنے لگے۔

۳۵

نکشتر رائے کا کورا جواب سن کر گوبند مانکیہ بہت ہی مایوس ہوئے بلون ٹھاکر نے دل میں سوچا کہ مہاراج اب لڑائی سے اختلاف نہ کریں گے۔ مگر گوبند مانکیہ نے کہا :- یہ بات نکشتر رائے کی کہی ہوئی نہیں۔ یہ بات اس پروہت نے کہلا بھیجی ہے۔ نکشتر کے منہ سے ایسی بات کبھی بھی نہیں نکل سکتی۔

بلون :- "مہاراج کی رائے اب کیا ہوئی ہے"۔

راجہ :- میں نکشتر کو کسی طرح ایک بار دیکھ لیتا تو سب بکھیڑوں کو ختم کر دیتا۔

بلون :- "اگر ملاقات نہ ہو"

راجہ :- "تو میں راجیہ چھوڑ کر چلا جاؤں گا"۔

بلون :- اچھا۔ میں ایک دفعہ کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔

پہاڑ کے اوپر نکشتر رائے کا خیمہ کھڑا ہے۔ چاروں طرف گھنا جنگل ہے۔ کہیں بانس کا، کہیں بید کا، اور کہیں سرکنڈے کا جنگل ہے۔ زمین طرح طرح کے پودوں اور بیلوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ جنگلی ہاتھی وغیرہ جانوروں کے چلنے کے راستہ کو سامنے رکھ کر فوجیں جیسے تیسے بڑی مشکل سے پہاڑ پر چڑھ آئی ہیں تھوڑا سا دن باقی ہے۔ سورج دیوتا پہاڑ کے مشرقی حصہ میں اُتر آئے ہیں مشرق کی طرف سایہ ہونے کی وجہ سے اندھیرا سا ہو گیا ہے۔ سورج غروب ہونے کے وقت کے دھندلے پن اور درختوں کی چھاؤں نے مل کر بیوقت ہی جنگل کے اندر شام کر دی ہے۔ سردی کے دنوں میں۔ شام کے وقت جیسے زمین سے کہرا اٹھتا ہے۔ اسی طرح زمین سے بھاپ نکل رہی ہے۔ جھیلوں کی جھنکار

نے خاموش جنگل کو پُر آواز کر دیا ہے۔ بلوان جب خیمے میں پہنچے تب سورج غروب ہو چکا تھا۔ مگر مغرب کی طرف آسمان میں سنہری لکیریں ابھی تک کچھ کچھ دکھائی دے رہی ہیں۔ مغرب اور کھلی پہاڑی زمین جو گھنا سیاہ جنگل ہے وہ سنہری لکیروں کے سایہ سے ہرے رنگ کے جمے ہوئے سمندر کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ مغل فوج کل صبح یہاں سے آگے بڑھیگی۔ فوج کے ایک دستے اور افسر کو ساتھ لے کر رگھوپتی راستہ ڈھونڈنے باہر گیا ہے۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ اگرچہ رگھوپتی کی غیر حاضری میں بھی نکشتر رائے کے پاس کسی غیر کو جانے دینے کی سخت ممانعت ہے مگر سنیاسی سمجھ کر بلوان ٹھاکر کو کسی نے نہیں روکا۔

بلوان نے نکشتر رائے کے پاس جا کر اور یہ کہہ کر کہ مہاراج گوبند مانکیہ نے آپ کو یہ خط لکھ کر یاد کیا ہے۔ نکشتر رائے کے ہاتھ میں خط دیا۔ نکشتر رائے نے تھرتھراتے ہوئے ہاتھ سے خط لیا۔ خط کھولتے وقت انہیں شرم اور ڈر محسوس ہونے لگا۔ گوبند مانکیہ اور ان کے درمیان جب تک رگھوپتی کھڑا رہتا تھا اتنی دیر تک وہ ہمیشہ مستقل مزاج بنے رہتے تھے گویا اب وہ کسی طرح گوبند مانکیہ کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ گوبند مانکیہ کا یہ سفیر یکدم نکشتر رائے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس وجہ سے وہ شرمندہ ہو گئے اور دل ہی دل میں کچھ جلے بھی۔ ان کے دل میں آیا کہ اگر رگھوپتی وہاں موجود ہوتا تو ہرگز اس ایلچی کو میرے پاس نہ آنے دیتا۔ دیر تک دل میں سوچ کر آخر خط کھولا۔ گوبند مانکیہ نے انہیں کوئی جھڑکی نہیں دی تھی۔ اس خط میں ایک بات بھی انہیں شرمندہ کرنے والی نہ تھی۔ گوبند مانکیہ نے ان پر ذرا بھی زور ظاہر نہیں کیا تھا۔ نکشتر رائے جو فوج لیکر ان پر حملہ کرنے آرہے ہیں۔ اس بات کا تمہیں ذکر تک نہیں۔ دونو بھائیوں میں پہلے جس طرح کا

برادرانہ جذبہ تھا۔ گویا وہی جذبہ اب تک اسی طرح قائم ہے۔ سارے خط میں صرف گہری محبت اور شدید تکلیف کے جذبات بھرے تھے محبت اور افسوس میں کس کی مقدار زیادہ ہے یہ انہیں صاف طور پر معلوم نہ ہوا ان محبت اور افسوس سے بھری ہوئی باتوں سے نکشتر رائے کے دل کو سخت صدمہ پہنچا۔ خط پڑھتے پڑھتے ان کے خیالات آہستہ آہستہ بدلنے لگے۔ دل پر جو پتھر کا پردہ پڑا تھا وہ چکنا چور ہو گیا۔ ان کے چہرہ پر اداسی چھا گئی۔ ہاتھ کانپنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ خط بھی کانپنے لگا۔ نکشتر رائے نے کچھ دیر اس خط کو سر پر رکھا اور بار بار پڑھا۔ اس خط میں جو بھائی کی دعا تھی گویا وہ ایک ٹھنڈے جھرنے کے پانی کیطرح ان کے پریشان جلتے ہوئے دل پر گرنے لگی۔ وہ بڑی دیر تک مغموم ہو کر شام کی سرخی سے جھلکتی ہوئی دور کی سیاہ جنگل کی زمین کو ایک نظر سے دیکھنے لگے۔ چاروں طرف خاموش شام پرسکون سمندر کی طرح چمک رہی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے انکی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور بڑی تیزی سے آنسو بہنے لگے۔ نکشتر رائے نے یکدم شرمندگی اور افسوس سے بیقرار ہو کر دونو ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا اور رو کر کہا:۔ میں یہ حکومت نہیں چاہتا۔ بھائی صاحب میرے تمام قصوروں کو معاف کر کے اپنے قدموں کے قریب جگہ دیں۔ مجھے اپنے پاس رہنے دیں۔ مجھے دور نہ بھگائیں ربلون کچھ نہ بولے:۔ چپ چاپ بیٹھے ہوئے محبت سے بھرپور دل سے اور پریم بھری آنکھوں سے ان کے چہرہ کو دیکھتے رہے۔ آخر جب نکشتر رائے کچھ دیر میں اپنے آپ میں آئے تو ربلون نے کہا:۔ گوبند مانکیہ آپکے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ چل کر ان سے ملئے۔ اب دیر نہ کیجیے۔

نکشتر رائے نے کہا:۔ کیا وہ مجھے معاف کریں گے؟

بلون :- ولیعہد سلطنت سے وہ بالکل بھی ناراض نہیں ۔ زیادہ رات گذر جانے سے راستہ میں تکلیف ہوگی۔ ایک گھوڑا لے لیا جائے ۔ پہاڑ کے نیچے مہاراج کے آدمی آپ کو لے چلنے کیلئے کھڑے ہیں۔

نکشتر رائے :- میں چھپ کر جاؤں گا۔ فوج پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دوں گا۔ اب دیر کرنے سے فائدہ کیا۔ جتنی جلدی یہاں سے نکل پڑیں اتنا ہی اچھا ہے۔

بلون :- بہت ٹھیک!

"میں پہاڑ پر سنیاسی جی کیساتھ شو جی کی پوجا کرنے جاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر نکشتر رائے گھوڑے پر چڑھے اور سنیاسی کیساتھ روانہ ہوئے۔ نوکروں نے ساتھ جانا چاہا مگر نکشتر رائے نے انہیں منع کر دیا۔

نکشتر رائے ابھی باہر نکلے ہی تھے کہ اتنے میں ہی گھوڑوں کی ٹاپوں اور فوج کے آنے کی آہٹ ملی۔ نکشتر رائے بڑے ہی شرمندہ ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے رگھوپتی فوج کیساتھ آپہنچا۔ آتے ہی اس نے حیران ہو کر پوچھا: "مہاراج کہاں جا رہے ہیں"۔ نکشتر رائے کچھ جواب نہیں دے سکے۔

ان کو خاموش دیکھ کر بلون نے کہا :- مہاراج گوبند مانکیہ سے ملاقات کرنے جاتے ہیں۔

رگھوپتی نے بلون کو ایک دفعہ سر سے پاؤں تک دیکھا۔ بھویں سکڑیں۔ اس کے بعد اپنے آپ کو سنبھال کر کہا :- آج ایسے بیوقت ہم لوگ اپنے مہاراج کو جانے نہیں دیں گے۔ اتنی بیقراری کیوں ؟ - کل صبح ہی چلے جائیں گے۔ مہاراج کی یہی خواہش ہے۔

نکشتر رائے نے آہستہ سے کہا :- ہاں کل سویرے ہی جاؤں گا۔ آج تو

رات ہو گئی ہے۔

بلون ٹھاکر مایوس ہو کر لوٹے اور اس رات کو انہیں لوگوں کیساتھ خیمے میں رہے۔ صبح ہونے پر نکشتر رائے کے پاس جانا چاہا تو پہرے داروں نے روک دیا۔ انکے خیمے کے چاروں طرف پہرہ ہے کسی طرف سے بھی جانے کا راستہ نہیں۔ آخر رگھو پتی کے پاس جا کر انہوں نے کہا :۔ "جانے کا وقت ہو گیا ولیعہد کو خبر دیجئے"

رگھو پتی :۔ مہاراج نہیں جائیں گے۔ وہ فیصلہ کر چکے ہیں۔

بلون :۔ میں ان سے ایک دفعہ ملنا چاہتا ہوں۔

رگھو پتی :۔ ملاقات نہیں ہو گی۔ انہوں نے کہلا بھیجا ہے۔

بلون :۔ مہاراج گوبند مانکیہ کے خط کا جواب ملنا چاہئے؟

رگھو پتی :۔ خط کا جواب پہلے ایک دفعہ دیا جا چکا ہے۔

بلون :۔ میں ان کے منہ سے جواب سننا چاہتا ہوں۔

رگھو پتی :۔ اس کا کوئی ذریعہ نہیں۔

بلون ٹھاکر سمجھ گئے کہ وقت گذارنے اور باتیں بنانے کے علاوہ اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو گا۔ انہوں نے چلتے وقت رگھو پتی سے کہا :۔ برہمن کیا تم بالکل ستیاناش کرنا چاہتے ہو؟ یہ برہمنوں کا کام نہیں۔

۳۶

بلون ٹھاکر جب نکشتر رائے کے خیمے سے لوٹ آئے تب انہوں نے دیکھا

کہ راجہ نے بہت کچھ دولت دیکر کوکی قوم کی فوج کو وداع کر دیا ہے۔ لڑائی میں دیر ہوتے دیکھ کر وہ لوگ ملک میں ادہر ادہر گڑبڑ کرنے لگے تھے۔ تریپورا کی فوج بھی راجہ کے حکم کے مطابق اپنے اپنے گھر چلی گئی۔ لڑائی کی کوئی تیاری دیکھنے میں نہ آئی۔ بلون نے وہاں کا سب حال راجہ سے کہا۔

راجہ نے کہا:۔ میں اب وداع ہوتا ہوں۔ نکشتر کیلئے سلطنت اور دولت چھوڑ جاتا ہوں۔

بلون:۔ تم بیکس رعایا کو دوسرے کے حوالے کر کے بھاگنا چاہتے ہو۔ اس طرح بھاگنے کی صلاح میں خوشی سے کبھی نہیں دے سکتا۔ ماتا اپنے لڑکے کو سوت کے ہاتھ میں سونپ کر بے فکر ہونا چاہیے۔ کیا یہ ممکن ہے؟

راجہ:۔ تمہاری بات میرے دل میں اتر جاتی ہے۔ معاف کرو۔ مجھ سے اب اور کچھ نہ کہو۔ مجھ کو اپنے اصول سے متزلزل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تم جانتے ہو۔ میں نے عہد کیا تھا کہ میں خون نہ بہاؤں گا۔ میں اس عہد کو نہیں توڑ سکتا۔

بلون:۔ "تو مہاراج اب کیا چاہتے ہیں؟"

راجہ:۔ سنو! میں تم کو سب سناتا ہوں۔ میں دھرو کو ساتھ لیکر جنگل میں جاؤنگا میری زندگی بالکل ادھوری رہی۔ میں نے جو جو کام کرنے کا خیال کیا تھا ابھی تک کچھ نہ کر سکا۔ زندگی کا جتنا حصہ گذر گیا ہے وہ کسی طرح واپس نہیں آسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بدقسمتی نے ہم لوگوں کو تیر کیطرح پرے پھینکدیا ہے اگر ایک دفعہ بھی نشانے سے چوکے تو پھر ہزار تدابیر کرنے پر بھی نشانہ کی طرف واپس نہیں آسکتے۔ میں زندگی کے شروع میں نشانہ سے چوکا تھا۔ اسلیئے زندگی کا مقصد مجھے اب بھی حاصل نہیں ہوا۔ جس وقت بیداری میں

میں اپنی حفاظت کر سکتا تھا۔ اس وقت میں بیہوش پڑا تھا۔ اب ڈوبنے پر ہوش آیا ہے۔ سمندر میں گر جانے پر لوگ جس طرح لکڑی کا سہارا لیتے ہیں۔ اسی طرح میں دھرو کا سہارا لینا چاہتا ہوں۔ دھرو کی امداد سے ہی میں ساحل پر پہنچوں گا میں آغاز سے ہی اسے انسان بنانے کی کوشش کرونگا اور اسی کیساتھ اپنی بھی اصلاح کر کے انسانی زندگی کے مقصد کو حاصل کرونگا۔ بھگت جی! میں ابھی تک انسان کہلانے کے لائق بھی نہیں ہوں۔ راجہ رہ کر کیا کرونگا۔

راجہ نے آخری الفاظ بہت ہی جوش میں کہے۔ جنہیں سن کر دھرو نے راجہ کے گھٹنے پر اپنی پیشانی رگڑ کر کہا: "میں لاجا ہوں"۔

بلون سٹھاکر نے ہنسکر دھرو کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ بڑی دیر تک اسکے منہ کی طرف دیکھ کر راجہ سے کہا: "جنگل میں کیا کبھی انسان انسانیت حاصل کر سکتا ہے؟ جنگل میں صرف پودے ہی پرورش کیئے جانے پر ترقی پا سکتے ہیں۔ انسانوں کی سوسائٹی میں ہی انسان اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔

راجہ نے کہا: "میں جنگل میں صرف اسلیئے جاتا ہوں کہ انسانی سوسائٹی سے بالکل قطع تعلق نہ کرونگا۔ یہ فیصلہ بھی تھوڑے ہی دنوں کیلیئے سمجھو۔

ادہر نکشتر رائے فوج کیساتھ دارالخلافہ کے نزدیک آپہنچے۔ رعایا کی دولت اور اناج لوٹا جانے لگا۔ اس طرح ستائے جانے پر رعایا گوبند مانکیہ کو ہی کوسنے لگی۔ ان لوگوں نے کہا: "یہ سب جھگڑے راجہ کے گناہوں کی وجہ سے ہی ہو رہے ہیں"۔

راجہ نے ایک دفعہ رگھوپتی کو بلا کر ملاقات کرنی چاہی۔ وہ آگیا۔ راجہ نے کہا:۔ رعایا کو فضول کیوں ستاتے ہو۔ میں نکشتر رائے کیلیئے سلطنت سے دستبردار ہو کر چلا جاتا ہوں۔ مغل فوج کو وداع کر دو۔

رگھوپتی نے کہا :۔" جو حکم! آپ جس وقت دار الخلافہ کو چھوڑ کر وداع ہونگے اسی وقت میں مغل فوج کو وداع کردوں گا۔ میں ترپورا کو لوٹنا نہیں چاہتا۔ راجہ نے اسی دن دار الخلافہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جانے کی کوشش کی۔ اپنے شاہی لباس کو تبدیل کر دیا۔ گیردے کپڑے پہن لئے نکشتر رائے کو ایک بہت بڑا دعاؤں سے بھرا ہوا خط لکھا۔ راجاؤں کے فرائض کے متعلقہ بہت سی باتیں لکھیں۔ پھر دھرو کو گود میں بٹھا کر پوچھا :۔ تم میرے ساتھ جنگل چلو گے ؟ دھرو فوراً راجہ کے گلے سے لپٹ کر کہنے لگا :۔ "ہاں چلونگا ... ہاں چلونگا"

اسی وقت راجہ کو یکایک یاد آیا کہ دھرو کو اپنے ساتھ لیجانے کے بارہ میں اسکے چچا کیدار کیشو سے پوچھ لینا ضروری ہے۔ راجہ نے کیدار کیشو کو بلا کر کہا :۔" تمہاری مرضی ہو تو میں دھرو کو اپنے ساتھ لیجاؤں"

دھرو رات دن راجہ کے ہی پاس رہتا تھا۔ اپنے چچا کیسا تھ اس کا زیادہ میل جول نہ تھا۔ اس وجہ سے راجہ کے دل میں اس بات کا شک نہ تھا۔ کہ دھرو کو ہمارے ساتھ جانے دینے میں کیدار کیشو کو کوئی اعتراض ہوگا۔ راجہ کی بات سن کر اس نے کہا :۔" مہاراج میں اسکے لئے کیسے ہاں کروں ؟"

یہ سن کر راجہ کے ہوش اڑ گئے۔ گویا یکایک ان پر بجلی گری۔ وہ ذرا ٹھہر کر بولے :۔" کیدار کیشو تم بھی میرے ساتھ چلو۔

کیدار کیشو :۔" نہیں مہاراج۔ جنگل میں جا کر رہنا مجھے پسند نہیں"

راجہ نے بیقراری کے لہجہ میں کہا :۔ میں جنگل میں نہ رہونگا۔ میں دولت لیکر نوکروں کیساتھ کسی شہر میں رہونگا۔

کیدار کیشو :۔ میں وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ جاؤں گا۔

راجہ نے اب اس سے اور کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا اور زور سے سانس لی۔ ان کی ساری امید مٹی میں مل گئی۔ ایک ہی پل میں گویا ساری زمین ان کے لیئے الٹ گئی۔ دھرو پاس ہی خوشی سے کھیل رہا تھا۔ راجہ بڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے گویا اسے آنکھ بھر کر دیکھ ہی نہیں سکے۔

دھرو نے ان کو اپنی طرف کھینچکر کہا:۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔

راجہ کا دل پسیج کر گویا آنسو بن کر آنکھوں میں آگیا۔ انہوں نے بڑی دقت سے آنسو روکے۔ پھر وہ ٹوٹے ہوئے دل سے بولے:۔ اچھا دھرو یہیں رہو میں اکیلا جاؤں گا۔ زندگی کے باقیماندہ حصہ کا ایک بڑا لمبا خاردار راستہ گویا ایک ہی پل میں بجلی کی طرح ان کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

کیدار کیشو نے دھرو کا کھیل بگاڑ کر اور یہ کہہ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا:۔ چل میرے ساتھ چل۔

دھرو نے روتے روتے کہا:۔ نہیں۔

راجہ نے چونک کر اس کی طرف چہرہ پھرا کر دیکھا۔ دھرو دوڑ کر آیا۔ راجہ سے لپٹ کر اس نے جلدی جلدی ان کے گھٹنوں کے درمیان اپنا منہ چھپا لیا راجہ نے دھرو گود میں اٹھالیا۔ اسے چھاتی سے لگا یا۔ ان کا دسیع دل پھٹنا چاہتا تھا۔ مگر چھوٹے سے دھرو کو سینے سے لگا کر ان کا دل ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ اسی طرح دھرو کو چھاتی سے لگائے کمرے میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ ان کے کندھے پر سر رکھ کر دھرو بڑے آرام سے پڑا رہا۔ سفر کا وقت آگیا۔ دھرو راجہ کی گود میں سو رہا ہے۔ سویا ہوا دھرو کو آہستہ آہستہ اپنی گود سے کیدار کیشو کے ہاتھ میں دیکر راجہ روانہ ہو گئے۔

۳۷

نکشتر رائے نے فوج کو ساتھ لیکر مشرقی دروازہ سے قلعہ کے اندر داخلہ حاصل کیا۔ ادھر گوبند مانکیہ کچھ روپیہ اور اُنے گنے نوکروں کو ساتھ لیکر مغربی دروازہ سے قلعہ کے باہر ہو گئے۔ شہر کے لوگ شنکھوں کی آوازوں کیساتھ طرح طرح کے باجے بجاتے۔ جے جے کرتے ہوئے نکشتر رائے کو کچھ آگے سے استقبال کرکے خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ گوبند مانکیہ جدھر سے گھوڑے پر چڑھے چلے جارہے تھے ادھر ان کی عزت کرنا کسی نے ضروری نہ سمجھا۔ بلکہ سڑک سے متصل گھروں سے عورتیں باہر نکل نکل کر انہیں گالیاں دینے لگیں۔ وہ سمجھتی تھیں۔ انہیں کے گناہوں سے ان کے گھروں میں اناج نہیں۔ ان کے پاپ سے انکے بال بچے بھوکے مررہے ہیں۔ جن بیکس بوڑھیوں کو اس بھیانک قحط کے وقت راجہ کے یہاں سے روزانہ روٹی ملتی تھی اور خود راجہ جنہیں دلاسا دیا کرتے تھے وہ اپنے کمزور ہاتھ اٹھا اٹھا کر راجہ کو کوسنے لگیں۔ ماؤں کے سکھانے پر لڑکے تالیاں بجاتے ہوئے راجہ کے پیچھے پیچھے چلے۔ ان باتوں پر دھیان نہ دے کر راجہ برابر آگے کیطرف دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ ایک کسان اپنے کھیت سے آرہا تھا۔ اس نے راجہ کو دیکھ کر بڑی گرمجوشی سے پرنام کیا۔ راجہ کا دل بیحد متاثر ہوا۔ وہ گھوڑے کو ٹھہرا کر بولے:۔ بھائی مجھے اب یہاں سے آگے بڑھنے دو"۔ راجہ کی اس حالت پر اسے بہت تکلیف ہوئی۔ ان کی اولاد کی طرح پیاری رعایا میں سے ایک اسی کسان نے چلتے وقت انہیں عقیدت سے پرنام کیا اور بہت اداسی سے انہیں وداع کیا

آخر سڑک کے جس حصہ میں کیدار کیشو کا گھر تھا اسی طرف راجہ آ گئے۔ راجہ نے گھوم کر مشرق کیطرف دیکھا کہ صبح ہو گئی ہے۔ سردی کا موسم ہے۔ مہاراج کو ایک ایک کر کے سب پرانی باتیں یاد آنے لگیں۔ راجہ بیدلی کی حالت میں اس مکان کے سامنے ٹھہر گئے۔ اس وقت وہاں ان کے نوکروں کے علاوہ اور کوئی آدمی نہ تھا۔ جو لڑکے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ انہیں اس کسان نے جس نے راجہ کو عقیدت بھرا پرنام کیا تھا بھگا دیا تھا۔ مگر کسان کو دور گیا دیکھ کر وہ پھر اکٹھے ہو گئے یکایک ان لڑکوں کے شور وغل میں ایک میٹھی آشنا آواز راجہ کے کانوں میں پڑی۔ انہوں نے دیکھا کہ دھرو دونو ہاتھوں کو اوپر اٹھائے ہنستے ہنستے ان کے پاس دوڑا آرہا ہے۔ کیدار کیشو گھر پر نہیں ہے۔ وہ نئے راجہ کی خدمت میں اپنی وفاداری اور محبت کا اظہار کرنے گیا ہے۔ گھر میں صرف ایک بوڑھی نوکرانی ہے۔ گوبند مانکیہ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے۔ دھرو نے ان کا دامن پکڑ کر ان کے گھٹنوں کے درمیان منہ چھپایا اور اپنی محبت کے جوش کو ٹھنڈا کر کے راجہ سے کہا:۔

"میں گھوڑے پر چڑھوں گا"۔ راجہ نے اس کو گھوڑے پر چڑھا دیا۔ گھوڑے پر چڑھ کر وہ راجہ کے گلے سے لپٹ گیا۔ راجہ کی عادات میں ایک عجیب تبدیلی دیکھ کر دھرو دل ہی دل میں کچھ سوچنے لگا۔ گہری نیند سے جگانے کے لئے جس طرح لوگ طرح طرح کے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ ویسے ہی دھرو نے راجہ کو اپنی طرف کھینچکر ان سے لپٹ کر اور ان کے گال پر اپنا گال رکھ کر ان کے جذبات کو پہلی حالت میں لانے کی کوشش کی۔ آخر ناکام ہو کر وہ اپنے منہ میں انگلی ڈال کر چُپ ہو رہا۔ راجہ نے دھرو کے دل کی بات سمجھ کر بار بار اس کا منہ چوما۔ آخر مجبور ہو کر راجہ نے کہا:۔ دھرو! اب

میں جاتا ہوں۔ اس نے راجہ کے منہ کی طرف دیکھ کر کہا :۔ "میں بھی چلونگا"۔

راجہ :۔ "تم کہاں جاؤ گے۔ اپنے چچا کے پاس رہو"

دھرو :۔ نہیں میں تو تمہارے ساتھ چلوں گا۔

اسی وقت وہ بڑھیا گھر سے نکل کر بڑبڑاتی ہوئی وہاں پہنچی۔ وہ زور سے دھرو کا ہاتھ پکڑ کر اور اسے کھینچکر بولی :۔ "چل آ یہاں سے"؟

دھرو ڈر گیا۔ وہ دونو ہاتھوں سے راجہ کو پکڑ کر ان کے جسم سے لپٹ گیا اس نے اپنا منہ ان کی چھاتی کے پاس چھپا رکھا۔ راجہ بیقرار ہو کر دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ دل کی زندگی بخشنے والی ناڑیاں توڑی جا سکتی ہیں۔ مگر ان دونو ہاتھوں کی گرفت کس طرح ڈھیلی کیجا سکتی ہے۔ آج اسے بھی توڑنا پڑا۔ راجہ نے آہستہ آہستہ دھرو کے دونو ہاتھ چھڑا کر زبردستی اسے نوکرانی کے سپرد کر دیا۔ دھرو رونے لگا اور ہاتھ اٹھا کر بار بار کہنے لگا :۔ "میں جاؤں گا۔ میں جاؤں گا"۔ راجہ نے پیچھے کیطرف نہیں دیکھا۔ جھٹ پٹ گھوڑے پر سوار ہو کر انہوں نے زور سے گھوڑے کو دوڑایا۔ وہ آگے بڑھتے ہیں۔ مگر دھرو کے رونے کی آواز انہیں سنائی دے رہی ہے..... "میں چلونگا" راجہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

راستہ میں مغل فوج کا ایک دستہ آ رہا تھا۔ وہ راجہ کو نشانہ بنا کر مذاق کرنے لگے۔ راجہ کے ایک درباری نین رائے اسی راستے سے گھوڑے پر جا رہے تھے۔ راجہ کی یہ بےعزتی اس سے برداشت نہ ہو سکی۔ اس نے راجہ کے پاس آکر کہا :۔ آپ میری تلوار اور پگڑی ذرا سنبھالیں میں اپنے آدمیوں کو بلا کر ان کو مزا چکھاتا ہوں۔ مگر راجہ نے کہا :۔ نہیں نین رائے! یہ لوگ میرا کیا کریں گے۔ میں اب تلوار سے عزت حاصل کرنا نہیں چاہتا۔ دوسرے

دنیوی لوگوں کی طرح پرماتما کے بھروسے میں بھی سب باتیں برداشت کر دنگا جاؤ نہیں رلائیے جس طرح تم میری عزت کرتے تھے۔ اسی طرح نکشتر کی کرنا۔ اسے اچھے راستے چلانا۔ تم لوگوں سے وداع ہوتے وقت میری یہ آخری پرارتھنا ہے۔ یہ کہہ کر راجہ آگے بڑھے اور درباری بھی انہیں پرنام کرکے آنسو پونچھتا ہوا چلا گیا۔

جب راجہ گومتی ندی کے کنارے جا پہنچے تب بلون ٹھاکر جنگل سے نکلے۔ راجہ کے سامنے آکر اور انگلی اٹھا کر انہوں نے کہا: "جے ہو"۔ راجہ نے گھوڑے سے اُتر کر انہیں پرنام کیا۔ بلون ٹھاکر نے کہا: "میں آپ سے وداع مانگنے آیا ہوں"۔

راجہ نے کہا:۔ آپ نکشتر کے پاس رہ کر انہیں اچھی اچھی باتیں بتائیں اور حکومت ورعایا کی فلاح و بہبود میں کوشاں ہوں۔

بلون نے کہا:۔ نہیں! جہاں آپ راجہ نہیں وہاں میں کچھ نہیں کر سکتا یہاں رہ کر میں اب کوئی کام نہ کر سکوں گا۔

راجہ نے کہا:۔ تو اور کہاں جائیے گا۔ میرے ہی اوپر کرم کریں۔ آپ کو دیکھتے ہی میرے کمزور دل میں طاقت آجاتی ہے۔

بلون:۔ میں یہی تلاش کرنے چلا ہوں کہ میری ضرورت کہاں ہے۔ میں آپ کے پاس رہوں یا دور رہوں۔ آپ سے میرا پریم اسی طرح بنا رہے گا۔ آپ اسے سچ سمجھیں۔ آپ کے ساتھ جنگل میں جاکر کسی کا کیا بھلا کر دوں گا۔

راجہ نے ملائمت سے کہا:۔ تو مجھے آگے بڑھنے کی اجازت دیجئے۔ راجہ نے پھر انہیں پرنام کیا۔ دونوں نے اپنی اپنی راہ لی۔

۳۸

نکشتر رائے اپنا نام کھشتر مانکیہ رکھ کر بڑی شان و شوکت سے تخت پر بیٹھ گئے۔ خزانے میں روپیہ زیادہ نہ تھا۔ اسی وجہ سے جہاں تک مل سکا۔ رعایا کا سب کچھ چھین کر مغل فوجیوں کو مقررہ رقم دے کر وداع کیا کھشتر مانکیہ سخت قحط اور افلاس لے کر حکومت کرنے لگے۔ چاروں طرف رعایا کے رونے دھونے کی باتیں سنائی دیتی تھیں۔

جس آسن پر گوبند مانکیہ بیٹھتے تھے۔ جس پلنگ پر وہ سوتے تھے۔ جو لوگ ان کے ناک کے بال تھے۔ وہ سب چپ چاپ گویا کھشیتر مانکیہ کی بے عزتی کرنے لگے۔ گوبند مانکیہ کی تمام چیزیں ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگیں۔ انہوں نے آہستہ آہستہ ان چیزوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے ہٹانا شروع کیا۔ گوبند مانکیہ کے استعمال کی جتنی اشیا تھیں۔ سب کو تباہ و برباد کر دیا۔ ان کے جو اچھے اچھے نوکر تھے انہیں باہر نکال دیا۔

وہ دل ہی دل میں ہمیشہ سوچا کرتے تھے کہ لوگ ہمیں راجہ مان کر مکمل طور پر عزت نہیں کرتے۔ اسی وجہ سے لوگوں سے خواہ مخواہ بگڑ جایا کرتے تھے۔ درباریوں کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ وہ رموزِ سلطنت سے قطعی ناواقف تھے۔ اگر کوئی سمجھانے آتا تو وہ جھٹ بول اٹھتے:۔ کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھتا وہ صلاح مشورہ کو بھی اپنی بے عزتی سمجھتے تھے۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق سب جگہ اپنی حکومت کا اعلان کرنے لگے۔ رعایا چاروں طرف سے ناراضگی کا اظہار کرنے لگی۔ وہ اس سے اور بھی زیادہ جل اٹھے۔ انہوں نے سمجھا کہ

یہ راجہ سے نفرت کے اظہار کے مترادف ہے۔ انہوں نے طرح طرح کی تکلیفیں دے کر یہ ڈر دکھا کر زبردستی لوگوں کے منہ بند کر دیئے۔ سارا راجیہ پرسکون رات کیطرح بالکل خاموش ہوگیا۔ سکونِ قلب سے بلو۔ نکشتر رائے کھشیتر پالکیہ بن کر اس طرح کا سلوک کریں تو اسمیں حیرانی کی کونسی بات ہے۔ ایسے کمزور دل انسان حکومت پاکر اسی طرح سخت اور لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ بہت دفعہ ایسے کمزور دل راجاؤں سے رعایا تکلیف اٹھاتی ہے۔

رگھوپتی کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ اس کے دل میں انتقام لینے کا جو بڑا رجحان تھا وہ اب نہیں رہا۔ جس کام کو اس نے شروع کیا تھا اسے پورا کر کے چھوڑا۔ اسلئے انتقام کے جذبات آہستہ آہستہ اس کے دل سے دور ہو گئے۔ وہ طرح طرح کی چالبازیوں سے تمام روکاوٹوں پر ختم پاتا ہوا اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ بس اس سے بڑھ کر دنیا میں اسکے لئے اور کوئی آرام اور خوشی نہیں۔

رگھوپتی نے اپنے مندر میں جا کر دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ اگرچہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جے سنگھ نہیں ہے پھر بھی اسنے اب دوبارہ محسوس کیا کہ جے سنگھ نہیں ہے گویا وہ ایک دفعہ اسے ایسا بھی معلوم ہوا کہ وہ ہے۔ اسکے بعد پھر یاد آیا کہ وہ دراصل نہیں ہے۔ ہوا کے دھکے سے کواڑ یکلخت کھل گئے۔ اس نے چونک کر پیچھے کی طرف گھوم کر دیکھا۔۔ "جے سنگھ تو نہیں آیا" اس نے سوچا کہ جس جگہ جے سنگھ رہتا تھا۔ شاید وہ اسی جگہ ہو۔ وہ بہت دیر تک یہی سوچتا رہا۔ ڈر کے مارے اس مکان میں نہ جا سکا۔ آخر اس نے ڈرتے ڈرتے اس مکان کے پیچھے کیطرف جا کر دیکھا جے سنگھ وہاں نہیں ہے شام ہوتے دیکھ کر رگھوپتی

ہمت کرکے آہستہ آہستہ جے سنگھ کے مکان میں داخل ہوا۔ سمادھی گھر کی طرح وہ مکان سنسان پڑا ہے۔ وہاں ایک طرف ایک لکڑی کا صندوق ہے۔ اس صندوق کے نیچے جے سنگھ کی کھڑاؤں پڑی ہیں۔ جن پر مٹی جم گئی ہے۔ دیوار پہ جے سنگھ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی کالی دیوی کی تصویر ہے۔ گھر کے مشرقی کنارے میں ایک دھات کے چراغدان پر دھات کا ہی ایک چراغ رکھا ہے۔ برسوں سے وہ یونہی پڑا ہے۔ کسی نے اسے جلایا تک نہیں۔ مکڑی کے جالے میں وہ چھپ گیا ہے۔ چراغدان کے پاس دیوار میں کالا داغ لگا ہے۔ گھر میں ان چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ رگھوپتی نے خوب زور سے سانس لی۔ وہ سانس گھر بھر میں گونجنے لگی۔ اندھیرا ہو جانے سے اب کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ کھلے ہوئے دروازے کے ذریعہ مکان کے اندر ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آنے لگی۔ صندوق کے اوپر بیٹھکر رگھوپتی کانپنے لگا۔ رگھوپتی نے اس سنسان مندر میں اسی طرح ایک مہینہ گذارا۔ مگر اس طرح وہ زیادہ دن نہیں گذار سکا۔ اس نے پروہت کا کام چھوڑ دیا ہے۔ ایکدن اس نے شاہی دربار میں جاکر حکومت کے کاموں میں دخل دیا۔ دیکھا کہ مظالم۔ ناعاقبت اندیشی اور ہلچل یہ تینوں کشیتر مانکیہ کا نام دھارن کرکے حکومت کر رہے ہیں۔ وہ سلطنت میں امن قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ کشیتر مانکیہ کو صلاح دینے لگا تو وہ بول اٹھے :۔ رگھوپتی تم رموزِ سلطنت کیا جانو۔ ان باتوں کو تم کیا سمجھوگے! راجہ کی سختی اور غرور دیکھ کر رگھوپتی خاموش ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ اب وہ تریپور راجیہ نہیں ہے۔ رگھوپتی سے راجہ کی ناراضگی آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ کشیتر مانکیہ یہ سمجھ کر کہ رگھوپتی دل میں یہی سوچتا ہوگا کہ اسی نے مجھے راجہ بنایا ہے بہت جلتے۔ رگھوپتی کو دیکھتے ہی وہ بیدل سے ہو جاتے تھے۔ آخر ایک دن انہوں نے صاف صاف کہدیا۔ پروہت جی!

تم اپنے مندر کا کام جا کر دیکھو۔ راج سبھا میں تمہارا کوئی کام نہیں۔
رگھوپتی نے انگارے کی سی تیز نگاہیں کھشیتر مانکیہ پر ڈالیں۔ کھشیتر مانکیہ منہ پھیر کر وہاں سے چلے گئے

۳۹

نکشتر رائے جب دن دارالخلافہ میں داخل ہوا اسی دن کیدار کیشو ان کے پاس حاضری دینے گیا۔ مگر وہ بہت کوشش کرنے پر بھی ان کے سامنے نہیں جا سکا پہریداروں کے دھکے کھاتے کھاتے اس کا ناک میں دم آگیا۔ آخر وہ جان لیکر وہاں سے بھاگا۔
گوبند مانکیہ کے دوران حکومت میں وہ عمدہ سے عمدہ کھانے کھا کر شاہی محل میں آرام سے رہا کرتا تھا۔ ان دنوں ولیعہد نکشتر رائے کیساتھ اس کا بڑا میل جول تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے شاہی محل سے تعلق نہ رہنے سے اسے اب اپنا گذارہ کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ جب وہ گوبند مانکیہ کے سایہ میں تھا تب سب لوگ اس سے ڈرتے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ مگر اب اس کو کوئی نہیں پوچھتا۔ پہلے جب کسی کو راجہ سے کچھ کام آپڑتا تھا تب لوگ کیدار کیشو کے پاس آکر اس کی خوشامد کرتے تھے۔ اب اس سے کوئی بات تک نہیں کرتا اس کی طرف کوئی نظر اٹھا کر دیکھتا تک نہیں اس بے عزتی کیساتھ ہی ساتھ اسے پیٹ کا بھی فکر ہوا وہ چاہتا ہے کسی طرح پھر شاہی محل میں رہ کر اسی طرح میری عزت ہو۔ کیونکہ اس تعلق سے مجھے حسب سابق آرام ملے گا۔
ایک دن وہ حسب موقعہ کچھ تحفہ تحائف لیکر دربار میں کھشیتر مانکیہ سے

ملنے گیا۔ وہ اپنی بیحد مسرت ظاہر کرتے ہوئے اور ہنستے ہوئے بڑی امنگوں کیساتھ راجہ کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔ اسکو دیکھتے ہی راجہ جل اٹھے۔ انہوں نے کہا۔ یہ ہنسی کیسی ہے؟ ــــ تم میرے ساتھ دل لگی کرنے آئے ہو۔

دربار میں جتنے آدمی بیٹھے تھے سب نے اسے للکارا۔ کیدار کیشو کے کھلے ہوئے دانتوں پر گویا اسی وقت بجلی گرگئی۔ اس نے اپنا منہ بند کرلیا۔

کھشیتر بانکیہ نے کہا:۔ تم کو جو کچھ کہنا ہے وہ جلدی سے کہہ کر چلے جاؤ

کیدار کیشو کو جو کچھ کہنا تھا وہ بالکل بھول گیا۔ اس نے کئی دنوں سے جو کچھ کہنے کیلئے سوچ رکھا تھا وہ اس کے پیٹ میں ہی رہ گیا۔ جب راجہ نے پھر کہا۔ اگر تجھے کچھ کہنا نہیں ہے تو یہاں سے جا۔ تب اس نے جھٹ پٹ کچھ کہنا ضروری سمجھا۔ وہ آنکھوں میں، منہ میں، اور آواز میں مکمل طور پر درد بھر کر بولا۔ مہاراج کیا آپ دھروکو بول گئے؟

یہ سنتے ہی کھشیتر بانکیہ غصہ کے مارے آگ بگولا ہو اٹھے۔ بیوقوف کیدار کیشو نے ان کا رجحان نہ سمجھکر پھر کہا:۔ "وہ کاکا... کاکا... کہہ کر مہاراج کے لئے اب بھی رویا کرتا ہے"۔

کھشیتر بانکیہ نے کہا:۔ تمہاری شیخی تو کچھ کہی نہیں جاتی۔ تمہارا بھتیجہ مجھے کاکا کہتا ہے؟ تم نے اسے یہی سکھایا ہے؟

کیدار کیشو خوفزدہ ہوکر اور ہاتھ جوڑ کر بولا:۔ مہاراج!

کھشیتر بانکیہ نے کہا:۔ کوئی ہے؟ ۔ اس کو اور اس لڑکے کو ابھی میری سلطنت سے نکال کر باہر کردے۔

یکایک کیدار کیشو کے گلے پر پہرہ داروں کے اتنے ہاتھ پڑے کہ وہ تیر کیطرح یکدم باہر جاگرا۔ پہرہ داروں نے اسکے ہاتھ سے تحائف کا تھال لیکر اپنی

میں بانٹ لیا۔ کیدار کیشو دھرو کو لیکر اسی وقت ترپورا سے وداع ہوئے۔

۴۰

رگھوپتی پھر مندر میں لوٹ آیا۔ اس نے آکر دیکھا کہ اب کوئی عقیدت سے کپڑے وغیرہ لیکر بھیری نذر کرنے نہیں آتا۔ پتھر کا مندر موجود ہے۔ اس کے اندر کہیں بیداری اور زندگی کا شائبہ تک نہیں۔ وہ گومتی ندی کے کنارے سفید پتھر کی سیڑھی پر جا بیٹھا۔ سیڑھیوں کے بائیں طرف جے سنگھ کے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودے اور درخت ہیں جن میں بیشمار پھول اور پھل لگے ہیں ان پھولوں کو دیکھ کر اسے جے سنگھ کا خوبصورت چہرہ۔ صاف دل اور سادہ زندگی یاد آنے لگی۔ شیر کیطرح مضبوط اور بہادر اور ہرن کے بچے کیطرح بزدل جے سنگھ کا دھیان رگھوپتی کے دل میں آیا۔ جے سنگھ نے رگھوپتی کے سارے دل پر قبضہ جما لیا۔ اسکے پہلے وہ جے سنگھ کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ عالم سمجھتا تھا۔ اب وہ جے سنگھ کو ہی زیادہ قابل ماننے لگا۔ جے سنگھ کو اس کے ساتھ جو عقیدت تھی اس کو یاد کرکے جے سنگھ سے اسے محبت اور اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی۔ جے سنگھ کیساتھ جو برے سلوک کئے تھے انہیں یاد کرکے اس کا کلیجہ پھٹنے لگا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا:۔ ہائے!۔ کس قابلیت کے بھروسے میں نے اس کی بے عزتی کی؟۔ میں اس لائق ہرگز نہیں کہ جے سنگھ کی بے عزتی کر دوں۔ اگر جے سنگھ ایک لمحہ کیلئے ایک دفعہ بھی دکھائی دیتے تو میں اپنی غلطی قبول کر معافی مانگتا۔

جے سنگھ کی تمام باتیں اسے یاد آنے لگیں۔ اسکے دل میں جے سنگھ کی ساری زندگی پھرنے لگی۔ وہ جے سنگھ کے وسیع اخلاق کا تصور کرکے سارے جھگڑوں اور بکھیڑوں کو بھول گیا۔ دنیا کا ایک بڑا بھاری بوجھ جو اس کے سر پہ چڑھا ہوا تھا اور جو دن رات اسے دبا رہا تھا گویا اب اسکے سر پر سے اتر گیا۔ جس نکشتر رائے کو اس نے راجہ بنا دیا ہے اور جو نکشتر رائے راجہ ہوکر آج اسی کی بیعزتی کررہا ہے اسے یاد کرکے اس کے دل میں اب ذرا بھی غصہ پیدا نہیں ہوتا۔ اب وہ عزت بیعزتی کو یکساں سمجھتا ہے۔ اب وہ کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہے جس سے جے سنگھ کی آتما اچھی طرح مطمئن ہوجائے۔ چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کوئی کام سوجھ نہ پڑا۔ چاروں طرف سنسان ہی سنسان تھا۔ اس سنسان مندر نے تو گویا اسے دبا ڈالا۔ گویا اس کی سانس بند کردی۔ وہ کوئی بڑا کام کرکے اپنے دل کی اذیت مٹانا چاہتا ہے۔ مگر اس سنسان مندر کیطرف دیکھ کر پنجرے میں بند چڑیا کیطرح اس کا دل بے چین ہوا تھا وہاں سے اٹھ کر وہ مندر کے ملحقہ باغ میں بقرار دل سے گھومنے لگا۔ مندر کے اندر کی غیر متحرک و بے جان مورتیوں سے اسے نفرت ہوگئی۔ اسے اب ان پتھر کی مورتیوں کی خدمت میں وقت گذارنا بیفائدہ جان پڑا۔ جب رات دو پہر گذر گئی تب رگھوپتی نے چقماق پتھر سے آگ بنا کر ایک چراغ جلایا۔ چراغ کو ہاتھ میں لیکر وہ مندر میں گیا۔ اندر جاکر اس نے دیکھا کہ چودہ دیوتا اسی طرح کھڑے ہیں۔ پچھلے سال ہاڑ کی سیاہ رات کی دھندلی روشنی میں عقیدت مند کی لاش کے سامنے خون کی ندی کے درمیان وہ بیوقوف بے جان شئے کیطرح کھڑے تھے اسی طرح آج بھی کھڑے ہیں۔ رگھوپتی زور سے بول اٹھا:۔ جھوٹ... سب جھوٹ! ہا! پیارے جے سنگھ۔ تم نے

اپنے قیمتی دل کا خون کس کی نذر کیا؟ یہاں کوئی دیوتا نہیں.... کوئی دیوتا نہیں.... اس پشاچ رگھوپتی نے ہی اس خون کو پی لیا۔

اب اس نے کالی دیوی کی مورتی کو آسن پر سے کھینچ کر اٹھا لیا اور مندر کے دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے دور پھینک دیا۔ اندھیرے میں وہ پتھر کی مورتی۔ پتھر کی سیڑھیوں پر سے آواز پیدا کرتی ہوئی لڑھک کر گومتی کے پانی میں جا گری۔ جو جہالت پتھر کی شکل اختیار کر کے اتنے دنوں سے خون پیتی آ رہی تھی وہ آج گومتی ندی میں غرق ہو کر ہزاروں دیگر بکھرے ٹکڑوں کے ساتھ جا ملی۔ مگر اس نے انسانوں کے سخت دلوں کے آسن کو نہ چھوڑا۔ رگھوپتی چراغ بجھا کر مندر کے باہر نکل کر راستے میں آیا۔ وہ اسی رات دارالخلافہ کو چھوڑ کر چل دیا۔

۲۰

بلون ٹھاکر کچھ دنوں سے نواکھلی ضلع کے گاؤں نظام پور میں ٹھہرے ہیں۔ وہاں سخت ہیضہ پھیلا ہوا ہے۔ پھاگن کے آخیر میں ایک دن بادل گھر آئے۔ دن بھر آسمان میں بادل چھائے رہے۔ درمیان درمیان میں تھوڑا تھوڑا پانی بھی برس جاتا تھا۔ آخر شام کو زور سے مینہ برسنے لگا۔ پہلی مشرقی ہوا چل رہی تھی۔ پھر رات کے دوسرے پہر میں شمالی ہوا بڑے زور سے چلنے لگی ساتھ ہی ساتھ بارش بھی آئی۔ کافی عرصہ بعد مینہ کم ہوا اور اسی وقت یکلخت سیلاب آگیا۔ کوئی گھر کے چھپر پر جا چڑھا۔ کوئی

اونچے ٹیلے پر جا کھڑا ہوا۔ کوئی درخت پر اور کوئی مندر کے اوپر جا بیٹھا۔ رات بالکل اندھیری ہے۔ کچھ کچھ بارش بھی ہو رہی ہے۔ سیلاب آنے کی آواز بھی بتدریج لوگوں کو سنائی دینے لگی۔ اسے سن کر گاؤں کے تمام لوگ حیران پریشان ہو گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیلاب آگیا۔ ایک دفعہ اس کی لہر آئی۔ پھر اس کے بعد دوسری۔ اور گاؤں میں آٹھ ہاتھ پانی چڑھ گیا۔ جب صبح ہوئی اور پانی کا زور کچھ کم ہوا تب سارا گاؤں پانی میں ڈوبا ہوا دکھائی دینے لگا۔ گاؤں میں ایسے گھر بہت ہی کم رہ گئے تھے جو پانی میں بالکل نہیں ڈوبے۔ لوگوں کا پتہ نہیں۔ دوسرے گاؤں سے آدمیوں اور جانوروں کی بہت سے لاشیں بہہ بہہ کر آئی ہیں۔ آم اور دیگر قسم کے درخت جڑوں سے اکھڑ کر علیحدہ ہو گئے ہیں۔ کتنے ہی درخت پانی میں بہہ گئے ہیں۔ دیواریں گر جانے سے دوسرے گاؤں کے گھروں کے چھپر بہہ آئے ہیں۔ وہ یہاں وہاں الٹے پلٹے پڑے ہیں۔ کتنے ہی مٹی کے برتن پانی کے اوپر ادھر ادھر تیر رہے ہیں۔ گاؤں میں بہت سے چھوٹے چھوٹے گھر ایسے تھے۔ جو بانس۔ آم۔ وغیرہ بڑے بڑے درختوں سے گھرے تھے۔ اسی وجہ سے کتنے ہی لوگ یکدم نہ بہہ کر ان درختوں میں الجھ گئے۔ کتنے ہی لوگ ساری رات اس سیلاب کی ترنگوں میں جھومتے ہوئے بانس کو پکڑے اسکے ساتھ برابر جھومتے رہے۔ کسی کا جسم درختوں کے کانٹوں میں الجھ کر زخمی ہو گیا۔ کتنے ہی آدمی درخت اکھڑ جانے پر ان کے ساتھ ہی بہہ گئے ہیں۔ پانی کم ہو جانے پر جو لوگ جیتے بچ گئے تھے وہ نیچے آکر لاشوں میں اپنے اپنے متعلقین کی تلاش کرنے لگے۔ بہت سی لاشیں پہچانی نہ گئیں کیونکہ یہ دیگر گاؤں سے بہہ کر آئی تھیں۔ ان لاشوں کو

کسی نے نہ جلایا۔ جھُنڈ کے جھُنڈ گِدھ آ گئے اور نوچ نوچ کر ان مُردوں کے گوشت کو کھانے لگے۔ گیدڑوں اور کتوں کیا تھا ان کا کوئی جھگڑا نہ رہا۔ کیونکہ وہ دو تو بھی مر چکے ہیں۔ اس گاؤں میں بارہ گھر پٹھانوں کے تھے۔ وہ لوگ بہت اونچی زمین پر رہتے تھے۔ اس وجہ سے سیلاب ان کا کوئی نقصان نہ کر سکا۔ زندہ انسانوں میں جن کو رہنے کے لئے گھر ملگیا وہ رہ گئے جنہیں گھر نہ ملا وہ جگہ کی تلاش میں دوسری جگہ چلے گئے۔ اسوقت جو غیر ممالک میں تھے انہوں نے اپنے وطن لوٹ آنے پر نئے گھر بنوائے۔ خلاصہ یہ کہ پھر آہستہ آہستہ لوگوں کی آبادی ہونے لگی۔ ابھی تک لوگ اچھی طرح آباد نہ ہوئے تھے کہ اتنے میں ہی لاشوں کے سڑنے اور تالابوں کا پانی گندا ہو جانے کی وجہ سے ہوا گندی ہو گئی اور دیگر کئی وجوہات سے گاؤں میں ہیضہ پھیلگیا۔ ہیضہ پہلے پٹھانوں کے ہی محلے میں داخل ہؤا اور ایک ساتھ سب کو دھر دبایا۔ مردوں کو دفن کرنے کا یا ایک دوسرے کی امداد کرنیکا کسی کو موقعہ نہ ملا۔

بلون ٹھاکر جب اس گاؤں میں آئے تب گاؤں کی یہی حالت تھی۔ بلون کیساتھ کچھ شاگرد بھی تھے۔ گاؤں کی حالت دیکھ کر لوگوں نے ہیضہ کے ڈر سے بھاگنے کی کوشش کی تب بلون نے دھمکا کر ان کو روک لیا۔ بیمار پٹھانوں کی وہ اپنے ہاتھوں خدمت کرنے لگے۔ ان کو لوگوں کی تیمارداری۔ دوا دارو کرنے لگے۔ انہوں نے مردوں کو دفنانے کا بھی انتظام کیا۔ بستر مرگ پر پڑے ہوئے پٹھان انہیں پیغمبر سمجھنے لگے۔ پٹھانوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کو ہیضہ ہونے کی جگہ سے کنارے رکھنے کیلئے دوسرے گھروں میں لے گئے۔ گھروں میں جگہ نہ ملی تو ٹوٹے پھوٹے مندروں اور دیگر کھنڈرات

میں انہیں جا کر رکھا۔ بلون ٹھاکر صبح ہی ان لڑکوں کیلئے خیرات مانگنے جاتے تھے مگر خیرات کون دیتا۔ وہاں اناج کہاں تھا؟ کتنے ہی لوگ روٹی نہ ملنے کیوجہ سے بھوکے مرنے لگے۔ اس گاؤں کا جو مسلمان زمیندار تھا اس کا گھر وہاں سے بہت دور تھا۔ بلون انکے پاس گئے۔ کسی طرح اس کو خوش کر کے اور اس سے کچھ روپیہ لے کر دو ہاؤل مانگنے لگے۔ وہ آپ مریضوں کی خدمت کرتے اور انکے شاگرد چاول بانٹتے تھے۔ فرصت ملنے پر بلون کبھی کبھی ان لڑکوں کیساتھ ال کر کھیلتے تھے۔ وہ لڑکے انہیں دیکھتے ہی شور مچانے لگتے تھے۔ شام کیوقت اس مندر کے پاس ہو کر جانے سے معلوم ہوتا تھا۔ گویا مندر میں ہزاروں ملڈ ملے ایک ساتھ "ٹیں ٹیں" کر رہے ہیں۔ بلون کے پاس "اسراج" جیسا ایک باجہ تھا۔ جب لڑکے ان کو گانے بجاتے دیکھتے تب چاروں طرف سے انہیں گھیر کر بیٹھ جاتے تھے۔ کوئی توجہ سے ان کا گانا سنتا تھا۔ کوئی باجہ کا تار کھینچتا تھا اور کوئی گانے کی کوشش کر کے بیطرح تان لیتا تھا۔

آخر مسلمانوں کے محلے کا ہیضہ ہندوؤں کے محلے میں آیا۔ گاؤں میں گویا غدر مچگیا۔ چوری ڈکیتی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ جو جسے پاتا لوٹ لیتا تھا۔ ایک دن صبح ہی صبح ایک شاگرد نے آکر بلون سے کہا:۔ پیپل کے درخت کے نیچے ایک پردیسی پڑا ہے۔ اسے ہیضہ ہو گیا ہے۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب نہ بچے گا۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا لڑکا بھی ہے۔

بلون نے اسی وقت جا کر دیکھا۔ کیدار کیشو بیہوش پڑا ہے۔ دھرو اسکے پاس مٹی میں ہی سو رہا ہے۔ کیدار کیشو کا سانس گلے میں رک رہا ہے۔ سفر کی تکلیف اور فاقوں کی وجہ سے وہ بیحد کمزور ہو گیا ہے۔ اسی لئے اس گاؤں میں آتے ہی یکایک اس کو ہیضہ نے دھر دبایا۔ بلون ٹھاکر نے بہت علاج کیا

مگر کسی بھی دوا سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کچھ دیر کے بعد اسی درخت کے نیچے اس کی موت ہوگئی۔ دھرو کی حالت دیکھ کر بلون کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس کی شکل سے معلوم ہوا گویا بہت دیر سے کچھ نہ کھانے کی وجہ سے وہ بھوک کے مارے رو کر سو گیا ہے۔ بلون بڑی ہوشیاری سے اسے گود میں اٹھا کر اپنے اسی لڑکوں کی حفاظت گاہ (مندر) میں لے گئے۔

۴۲

چٹاگانگ اس وقت اراکان کے ماتحت ہے۔ گوبند مانکیہ تخت سے دستبردار ہو کر یہاں ہی آئے ہیں۔ یہ سنکر اراکان کے راجہ نے عاجزانہ انداز میں ان کے پاس سفیر بھیجکر کہلا بھیجا:۔ اگر وہ اپنے تخت پر پھر قبضہ کرنا چاہیں تو میں اپنی فوج کیساتھ ان کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔

گوبند مانکیہ نے سفیر سے کہا:۔ میں تخت نہیں چاہتا"

سفیر:۔"مہاراج کچھ دن اراکان کے دارالخلافہ میں چل کر ٹھہریے"

راجہ:۔ میں دارالخلافہ میں بھی رہنا نہیں چاہتا۔ چٹاگانگ کے کسی ضلع میں کوئی مقام مل جانے سے ہی میں اراکان کے راجہ کا ممنون رہوں گا۔

سفیر:۔ مہاراج جہاں رہنا پسند کریں وہیں رہ سکتے ہیں۔ اس راجیہ کو آپ اپنا ہی سمجھیں۔

اراکان راجیہ کے کتنے ہی نوکر راجہ کیساتھ ہی ساتھ رہے۔ گوبند مانکیہ نے ان کو ساتھ رہنے سے منع نہیں کیا۔ انہوں نے دل ہی دل میں کہا:۔

ارکان ہی تو ہے۔ شاید میرے پر کچھ شبہ کر کے ارکان کے راجہ میرے پاس اپنے لوگوں کو دکھنا چاہتے ہوں۔

میانی ندی کے کنارے راجہ نے اپنی کٹیا بنوائی۔ ندی کا پانی بہت صاف ہے۔ ندی کے دونوں طرف کالے رنگ کے پہاڑ ہیں۔ پہاڑوں میں کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی گپھائیں ہیں۔ جن میں طرح طرح کے پرندے رہتے ہیں۔ پہاڑوں کے اوپر قسم قسم کے بڑے بڑے پودے پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے جھوم رہے ہیں۔ کہیں کہیں ندی کے دونو کنارے، دور تک گھنا جنگل چلا گیا ہے۔ اس گھنے جنگل میں کہیں کہیں کیلوں کا جنگل دکھائی دیتا ہے۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے جھرنے ہیں۔ جن کا پانی بڑی تیزی سے بہہ کر ندی میں آکر گرتا ہے ندی کا پانی پتھروں پر سے ہو کر نیچے گرتا ہے اور پہاڑ سے ٹکرا کر گونج پیدا کرتا ہے

گوبند مانکیہ اسی ندی کے کنارے۔ ٹھنڈی چھاؤں میں اس پانی کی آواز اور گونج کا لطف اٹھاتے ہوئے۔ پہاڑ کے نیچے اپنی شانت کٹیا میں رہنے اور شانتی سکھ سے دل کو بھرنے لگے۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے دل کے گڑھے سے غصہ، غرور اور دوسرے برے جذبات کو نکال باہر کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے دل کا دروازہ کھولدیا۔ اسمیں صاف روشنی اور ٹھنڈی ہوا نے داخل ہو کر اسکے اندھیرے اور گرمی کو بالکل دور کر دیا۔ انہوں نے اپنی بیغرضانہ محبت کو گویا دنیا کے اطراف و جوانب میں پھیلا دیا۔ وہ اپنی تمام بری خواہشات کو دور کر کے ہاتھ جوڑ کر بولے:۔ ہے ایشور۔ تم دھنیہ ہو تم نے دولت کی چوٹی سے گرتے ہوئے مجھے اپنی گود میں اٹھا کر اس سفر میں بچا لیا۔ میں گرا ہی چاہتا تھا تمہاری مہربانی سے میں اب بچگیا۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ..... میں نے اس بچہ کی محبت میں پھنس کر۔ تمام فرائض

کو بھول کر اپنی زندگی کا مقصد اسی پر قائم سمجھ لیا تھا۔ تم نے مصیبت کے وقت مجھے بچا لیا۔ پر بھوا میں تنخواہ کیطرح کام کے نتیجہ کو حاصل کرکے خود سنگدار کی طرح کام نہ کروں گا بلکہ تمہارے پریم کے ماتحت تمہاری سیوا کروں گا۔ گوبند مانکیہ نے دیکھا کہ جو پر سکون قدرت تخلیہ میں محبت جمع کرتی ہے وہی اس کو انسانوں میں گھر گھر ندی کی طرح بہا دیتی ہے۔ جو اس دھار میں نہاتا ہے اس کی گرمی اور تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ پیاس بجھ جاتی ہے۔ جو اس دھار کو نہیں چھوتا اس پر قدرت کا کوئی دباؤ نہیں۔ گوبند مانکیہ نے دل میں سوچا میں ابھی اپنی اس جگہ کی جمع شدہ پر سکون محبت کو لوگوں میں تقسیم کرنے کیلئے باہر جاؤں گا۔ وہ اس آشرم کو چھوڑ کر باہر نکلے۔

دفعتہً سلطنت چھوڑ کر مایوس ہو نکلنے میں جتنا آسان معلوم ہوتا ہے دراصل اتنا آسان نہیں۔ شاہی لباس کو اتار کر گیروے کپڑے پہننا معمولی بات نہیں سلطنت کا چھوڑنا آسان ہو بھی سکتا ہے۔ مگر ہم لوگوں کو پیدائش سے جو معمولی عادتیں پڑ گئی ہیں ان کا چھوڑنا آسان نہیں۔ ان عادتوں کو ہم یکلخت نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ عادتیں اپنی خواہشات کے سخت جوش کو لیکر ہماری نس نس میں سما گئی ہیں۔ انکی خواہش موقعہ پر پوری نہ کیجائے تو وہ ہمارے خون کو چوسنے لگ جائیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ گوبند مانکیہ جتنے دن اس کٹیا میں رہے اتنے دن وہ ایک کاہل الوجود انسان کیطرح پاؤں پھیلائے پڑے رہے۔ نہیں وہ قدم قدم پر اپنی چھوٹی چھوٹی ہزاروں عادتوں کیساتھ جنگ کرتے۔ جب کسی چیز کی کمی سے ان کا دل بیقرار ہو اٹھتا تھا تب وہ آپ ہی اپنے کو دھکارتے تھے۔ وہ اپنی ہزاروں منہ ڈالی بری خواہشات کو کچھ کھانا نہ دیکر آہستہ آہستہ برباد کر دیتے۔ وہ قدم قدم پر اپنی ان بیشمار عادتوں پر فتح حاصل کرکے آرام پاتے تھے۔ گوبند مانکیہ پہاڑی علاقہ کو چھوڑ کر جنوبی سمندر

کیطرف چلے۔ وہ خواہشات کی غلامی کو تلانجلی دے کر دل میں آزادی کا آرام محسوس کرنے۔ وہ قدرت کی ہر شے میں عجیب آرام کا نظارہ کرنے لگے۔ وہ انسانوں کے ہنستے بولنے۔ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے ایک عجیب لطف اٹھانے لگے۔ انکے دل میں کمزوروں کی امداد کرنے اور مصیبت زدگان کا جہاں تک ہو سکے بھلا کرنے کی خواہش جاگ اٹھی۔ انہوں نے اپنی تمام طاقت اور آراموں کو بنی نوع انسان کی بھلائی کیلئے چھوڑ دیا۔

چٹاگانگ سے جنوب کیطرف راموشہر اب بھی دس کوس پر ہے۔ شام ہونے سے کچھ پہلے گوبند مانکیہ جب "المخال" نامی ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے تب انہیں اس گاؤں کے ایک مکان کے اندر سے ایک کمزور آواز بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ اس سے ان کا دل کا بیقرار ہو اٹھا۔ وہ اسی وقت اس مکان کے اندر گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان ایک دبلے پتلے لڑکے کو گود میں لئے گھر کے اندر ادھر ادھر ٹہل رہا ہے۔ لڑکا تھر تھر کانپ رہا ہے اور ذرا دیر ٹھہر ٹھہر کر رو اٹھتا ہے۔ وہ نوجوان اسے اپنی چھاتی سے لگا کر سلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یکا یک گیروے کپڑے پہنے ہوئے گوبند مانکیہ کو دیکھ کر وہ سہم سا گیا۔ اس نے بیقراری کے لہجہ میں کہا: "سوامی جی اس لڑکے کو دعا دیجئے۔ گوبند مانکیہ نے اپنا کمبل نکال کر اچھی طرح اس بچہ کو اوڑھا دیا۔ لڑکے نے ایک دفعہ اپنا سر اٹھا کر گوبند مانکیہ کی طرف دیکھا۔ اسکے خشک چہرہ میں دو آنکھوں کے علاوہ اور کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ راجہ نے اس لڑکے کو اپنی گود میں لیکر نوجوان سے پوچھا۔ اس لڑکے کے باپ کا نام کیا ہے؟"

نوجوان نے کہا:۔ اس کا باپ میں ہی ہوں۔ میرا نام یادو ہے۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر یادو کہنے لگا۔ پرماتما نے ایک ایک کر کے میرے سب لڑکے چھین لئے

ایک رہ گیا ہے۔ اس کے بعد بادو نے ٹھنڈی سانس لی۔"
راجہ نے اس نوجوان سے کہا:۔" آج کی رات میں تمہارے ہی ہاں مہمان کے طریقہ پر رہونگا۔ میں کھانا نہ کھاؤں گا۔ صرف رات گذاروں گا۔"
دیکھتے دیکھتے شام ہو گئی۔ چراغ کی دھندلی روشنی میں گوبند، بانکیہ اس مریض بچہ کا مغموم چہرہ دیکھ رہے ہیں۔ وہ اسے اچھی طرح کمبل سے ڈھانپ کر طرح طرح کے قصے سنانے لگے۔ بچہ بیماری کی تکلیف بھول کر سو گیا۔ وہ دوسرے کمرے میں سونے گئے۔ مگر ساری رات وہ دھرو کی ہی باتیں سوچتے رہے۔ راجہ نے دل ہی دل میں کہا:۔ میں دھرو کو کھو کر اب تمام لڑکوں کو دھرو کی ہی مانند سمجھتا ہوں۔ جب دن نکلنے کو ہوا تب راجہ نے سنا کہ لڑکا بیدار ہو کر اپنے باپ سے پوچھ رہا ہے:۔ بابو جی کیا بجتا ہے"؟
باپ نے کہا:۔" ڈھول"
بچہ:۔ ڈھول کیوں بجتا ہے
باپ:۔ کل پوجا ہے!
لڑکا:۔ کل پوجا ہے۔ پوجا دیکھنے کے لئے مجھے کچھ نہ دوگے؟
باپ:۔" کیا دوں بیٹا!"
لڑکا:۔" مجھ کو ایک لال دوشالا نہ دوگے؟"
باپ:۔ مجھے دوشالا کہاں ملے گا۔ میرے لعل۔ میرے پاس کچھ نہیں۔
لڑکا:۔ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے؟
باپ:۔ ہاں بیٹا۔ کچھ نہیں ہے۔ صرف تم ہی ایک ہو۔
یہ کہہ کر اسنے جو پھٹے ہوئے دل سے ایک گہرا سانس لیا تو اس ملحقہ کمرے میں لیٹے ہوئے راجہ نے سن لیا۔ اسکے بعد لڑکا کچھ نہ بولا معلوم ہوتا ہے وہ باپ کی

چھاتی سے لگ کر سو گیا۔ دن اچھی طرح نکلنے نہ پایا تھا کہ گوبند مانکیہ اٹھ بیٹھے۔ گھر کے مالک کو اپنے جانے کی اطلاع دیئے بغیر ہی گھوڑے پر سوار ہو کر وہ راموشہر کیطرف چل پڑے۔ انہوں نے دن میں نہ کچھ کھایا۔ نہ پیا اور نہ کہیں آرام ہی کیا۔ راستے میں ایک چھوٹی سی ندی ملی۔ گھوڑے پر چڑھے ہی چڑھے وہ ندی سے پار ہو گئے۔ دوپہر کی سخت دھوپ میں وہ راموشہر پہنچے۔ وہاں انہوں نے زیادہ دیر نہ لگائی۔ شام ہونے سے کچھ پہلے ہی وہ یادو کے گھر لوٹ آئے۔ یادو کو تخلیہ میں بلا کر انہوں نے اپنی جھولی سے ایک لال دوشالا نکالا اور اس کے ہاتھ میں دیکر کہا۔ "آج پوجا کے دن یہی دوشالا تم اپنے لڑکے کو دو۔"

یادو نے رو کر انکے پاؤں پکڑ لیے اور کہا۔ سوامی جی! آپ ہی اپنے ہاتھ سے اسے دیں۔"

راجہ: "نہیں! میں نہیں دوں گا۔ میرے دینے سے کوئی نتیجہ نہ ہو گا۔ تم میرا نام بھی نہ لینا۔ میں صرف تمہارے لڑکے کے چہرہ پر مسرت کی لہر دیکھ کر چلا جاؤں گا۔

اس بیمار بچہ کے مضمحل چہرہ کو کھلا ہوا دیکھ کر راجہ چلے گئے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اب ادہر ادہر بھٹکتے نہ پھرینگے بلکہ انسانوں کی سوسائٹی میں رہ کر کام کرنا سیکھینگے راموشہر کے جنوبی طرف، راجپور کے پاس۔ مگ لوگوں کے قلعہ میں وہ اراکان کے راجہ سے اجازت لیکر رہنے لگے۔ گاؤں والوں کے جتنے لڑکے بچے تھے سب قلعہ کے اندر راجہ کے پاس آگئے۔ انہوں نے بچوں کیلئے ایک پاٹھ شالا کھولی۔ قلعہ خالی پڑا تھا۔ وہ بچوں سے بھر گیا۔ گوبند مانکیہ بچوں کو تعلیم دے کر انسان بنانے لگے وہ چاہتے تھے کہ تمام ذی روح اپنے اپنے فرائض کو محسوس کریں اور خصوصاً اس انسانی زندگی کا صحیح مقصد حاصل ہو۔ گوبند مانکیہ اسکے متعلقہ انتظامات میں مشغول ہوئے وہ اس کام کیلئے سب تکلیفوں کو برداشت کر سکتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ اگر بلون ٹھاکر ساتھ ہوتے تو اچھا ہوتا۔ اسطرح سینکڑوں دھروں کو لیکر وہ وقت گذارنے لگے

۴۳

ادہر شاہ شجاع اپنے بھائی اورنگ زیب کی فوج سے شکست کھا کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ الہ آباد کے پاس میدانِ جنگ میں ان کی شکست ہوئی دشمن سے ہار کر شجاع اس مصیبت کیوقت اپنے طرفداروں پر بھی یقین نہ کر سکے وہ بعزت اور مشتبہ ہونے کی وجہ سے بھیس بدل کر۔ عام آدمی کیطرح اکیلے بھاگ چلے شجاع جہاں جاتے ہیں وہیں انکے پیچھے فتح کا جھنڈا لیئے دشمن کی فوج آ پہنچتی ہے گویا انکے ساتھ ہی ساتھ دشمنوں کی فوج کے گھوڑوں کی ٹاپ لگی پھرتی ہے۔ آخر جیسے تیسے وہ پٹنہ پہنچے۔ وہاں پہنچکر انہوں نے پھر نواب کا بھیس بنایا اور اپنی آمد کا اعلان کر دیا۔ وہ ابھی وہاں پہنچے ہی تھے کہ اتنے میں اورنگ زیب کا بیٹا محمد فوج کیساتھ پٹنہ کے پاس آ پہنچا۔ شجاع فوراً پٹنہ چھوڑ کر منگھیر بھاگ گئے۔ ان کے گمشدہ بہت سے سپاہی اور ساتھی لوگ جہاں تہاں سے آ آ کر منگھیر میں ان کے پاس جمع ہونے لگے۔ یہاں انہوں نے فوج میں نئے جوان بھرتی کیئے۔ تیلیا گڑھی اور سکلا گلی کے قلعہ کی مرمت کر کے اور ندی کے کنارے پہاڑ کے اوپر دیواریں کھڑی کر کے وہ ایک طرح بے فکر ہو گئے۔ اسی دوران میں اورنگ زیب نے اپنے ہوشیار جرنیل میر جملہ کو شہزادہ محمد کی مدد کیلئے بھیجا۔ محمد نے ظاہر الطور پر منگھیر کے قلعہ کے پاس آ کر اپنا ڈیرہ ڈالدیا۔ میر جملہ چھپکر دوسرے راستے سے منگھیر کیطرف روانہ ہوا۔ جب شجاع محمد کیساتھ چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں مصروف تھے تب یکایک انہیں خبر ملی کے میر جملہ بہت بڑی فوج کیساتھ نسبت پور میں آ پہنچا ہے۔ اس سے گھبرا کر شجاع جھٹ اپنی فوج کو ساتھ لیکر منگھیر چھوڑ کر راج محل بھاگ گئے۔ ان کے

بال بچے وہیں تھے۔ بادشاہ کی فوج نے بہت جلد وہاں بھی ان کا تعاقب کیا۔ شجاع
چھ دن تک اس فوج کیساتھ خوب لڑے۔ آخر جب انہوں نے دیکھا کہ اب
حفاظت کی کوئی امید نہیں، تب ایکدن وہ چپ چاپ اس گہری اندھیری رات میں
اپنے بال بچے اور جسقدر ہوسکا روپیہ پیسہ لیکر ندی پار ہوکر تونڈا بھاگ گئے اور
جلدی سے وہاں کے قلعہ کی مرمت کروانے لگے۔ برسات کا موسم آپہنچا۔ بارش کے
پانی سے ندی نالے بھر گئے۔ بادشاہ کی فوج آگے نہ بڑھ سکی۔

اس لڑائی جھگڑے سے پہلے شاہزادہ محمد کیساتھ شجاع کی لڑکی کی شادی کی بات
پختہ ہوگئی تھی۔ مگر لڑائی شروع ہوجانے سے اس فیصلہ کو فریقین بھول سے گئے تھے
بارش کی وجہ سے جنگ بند ہے۔ میر جملہ راج محل سے کچھ آگے اپنا خیمہ لیگیا۔ ایسے
وقت تونڈا کی چھاؤنی سے ایک سوار نے آکر چپ چاپ محمد کے ہاتھ میں ایک خط دیا۔
شاہزادے نے اسے کھولکر پڑھا۔ شجاع کی لڑکی نے لکھا تھا۔ شاہزادہ صاحب!
میرے نصیب میں کیا یہی لکھا تھا۔ میں جنکو دل ہی دل میں شوہر سمجھ کر اپنا دل دے
چکی ہوں۔ جو انگوٹھی بدل کر میرے ساتھ شادی کرنیکا قول کر چکے ہیں وہ آج ہاتھ
میں دودھاری تلوار لیکر میرے باپ کا گلا کاٹنے آئے ہیں۔ مجھے کیا یہی دیکھنا تھا۔
میرے اور آپکے بیاہ کا کیا یہی جلسہ کیا جا رہا ہے۔ کیا اسی لئے آج ہم لوگوں کا راج
محل لال ہو رہا ہے۔ کیا اسی کی خوشی میں شاہزادہ دلی سے لوہے کی زنجیر ہاتھ میں
لیئے آئے ہیں؟ محبت کی کیا یہی زنجیر ہے؟

یہ خط پڑھتے ہی گویا یکایک محمد کے پاؤں کے نیچے کی زمین کھسک گئی۔ ان کا دل
پھٹ گیا۔ کانپ اٹھے۔ بیچین ہو گئے۔ انہوں نے اسی گھڑی بادشاہت کی امید
اور بادشاہ کے اعتماد کو تلانجلی دے دی۔ انہوں نے اپنی نئی جوانی کی دھدکتی ہوئی آگ
میں اپنے فائدہ و نقصان کے خیال کی قربانی دے دی۔ انہیں اپنے باپ کا سارا کام

بے انصافی اور سختی پر مبنی محسوس ہونے لگا۔ باپ کی دھوکا سے بھری ہوئی سخت پالیسی
کے خلاف اس سے پہلے بھی وہ انکے سامنے ہی اپنی رائے صاف طور پر ظاہر کیا
کرتے تھے۔ اسی وجہ سے بادشاہ کبھی کبھی ان پر بد اعتمادی کا بھی اظہار کیا کرتے تھے
آج وہ اپنے کئی چیدہ چیدہ جرنیلوں کو بلا کر بادشاہ کے ظلم۔ چالاکی اور بے رحمی
پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے بولے :۔ میں اپنے چچا سے ملنے تونڈا جاؤں گا۔ اگر
تم لوگ سچے دل سے مجھے محبت کرتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔ جرنیلوں نے لمبا سلام
کر کے فوراً کہا :۔ شاہزادہ صاحب جو فرما رہے ہیں وہ بہت ٹھیک ہے۔ آج کل
تقریباً آدھی فوج تونڈا کی چھاؤنی میں شاہزادہ کیساتھ جالے گی۔ محمد اسی دن ندی
پار ہو کر شجاع کے خیمے میں پہنچے۔

تونڈا میں ہر طرف حسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سب لوگ لڑائی جھگڑے کی بات یکدم
بھول گئے۔ اتنے دن صرف مردہی کام کاج میں پھنسے رہتے تھے اس وقت شجاع
کے گھر میں عورتوں کا کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ انہیں دم لینے تک کی فرصت نہیں شجاع
نے بڑی محبت اور خوشی کیساتھ محمد کا استقبال کیا۔ بجید خون بہنے کے بعد یکایک خون
کی رو بند ہو جانے سے گویا خون نے دونوں کے بدن میں جوش مارا۔ خوشی خوشی شجاع کی
لڑکی کیساتھ محمد کی شادی ہو گئی۔ شادی کا جلسہ ختم ہوتے ہوتے خبر آئی کہ بادشاہ کی فوج
آرہی ہے۔

محمد جیسے ہی شجاع کے خیمے میں گئے ویسے ہی فوجی افسروں نے میر جملہ کو خبر دی
بادشاہ کا ایک بھی سپاہی محمد کیساتھ نہیں ملا۔ وہ لوگ سمجھ گئے تھے کہ محمد اپنی خواہش
سے مصائب کے سمندر میں کود پڑے ہیں۔ انکی طرف جا کر شامل ہونا بالکل پاگل پن ہے۔
شجاع اور محمد کو یقین تھا۔ کہ بادشاہ کی زیادہ تر فوج میدان جنگ میں ہمارے
ساتھ آملیگی۔ اسی امید پر محمد اپنی جھنڈی پھراتے ہوتے میدان جنگ میں آپہنچے بادشاہ

کی فوج کا ایک بڑا دستہ انکی طرف رجوع ہوا۔ محمد مارے خوشی کے پھول گئے۔ جب پاس آکر ان لوگوں نے محمد کی فوج پر گولے برسانے شروع کئے تب شاہزادے کی آنکھیں کھلیں۔ مگر اب آنکھ کھلنے پر کیا ہو سکتا تھا۔ وقت نہ رہا۔ شجاع کی فوج بھاگنے کیلئے تیار ہوئی۔ شجاع کے بڑے بیٹے جنگ میں کام آئے۔ بدنصیب شجاع اسی رات کو اپنے داماد اور بال بچوں کیساتھ تیز چلنے والی کشتی پر چڑھ کر ڈھاکہ بھاگ گئے۔ میر جملہ نے ڈھاکے تک شجاع کا تعاقب کرنا ضروری نہ سمجھا۔ وہ اپنے مقبوضہ ملک میں امن قائم کرنے میں مصروف ہوئے۔

شجاع کے مصائب کے دنوں میں جب احباب ایک ایک کرکے مُنہ موڑتے جاتے تھے۔ تب محمد نے اپنی دولت۔ جان۔ عزت وغیرہ کی کچھ پرواہ نہ کرکے ان کا ساتھ دیا اسوجہ سے شجاع کا دل موم کیطرح پگھل گیا۔ وہ دل سے محمد کو پیار کرنے لگے۔ اسی وقت اورنگ زیب کا ایک جاسوس چٹھی کیساتھ ڈھاکہ شہر میں پکڑا گیا۔ اس کی چٹھی شجاع کے ہاتھ لگی۔ اورنگ زیب نے محمد کو لکھا تھا۔ میری آنکھوں کے پتلے پیارے محمد! میں نے جس کام کیلئے تمہیں بھیجا تھا اسے تم پورا نہیں کر سکے۔ تم نے اپنے فرض کو ادا نہ کرکے اپنی شہرت پر سیاہ دھبہ لگایا۔ عورت کے مکارانہ ہنسی پر عاشق ہو کر تم اپنا فرض بھول گئے بڑے افسوس کی بات ہے کہ جس کو کسی وقت تمام مغل سلطنت کا انتظام کرنا پڑے گا۔ وہ آج ایک نازنین کی آنکھوں کے تیر کا نشانہ بن گیا ہے۔ جو ہو تم نے خدا تعالیٰ کے نام قسم کھاکر افسوس ظاہر کیا ہے تب میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ مگر جس کام کیلئے تم وہاں ٹھہرے ہو اسے پورا کرکے جب آؤ گے تب ہمارے مکمل اعتماد کے مستحق بنو گے!

شجاع کا دل کانپ اٹھا گویا ان پر یکایک بجلی گر گئی۔ محمد نے بار بار کہا کہ میں نے والد کے سامنے اظہار افسوس نہیں کیا۔ یہ سب والد صاحب کی ہوشیاری اور چالبازی ہے مگر شجاع کا شک دور نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن انہوں نے کہا۔ سنو

پیارے محمد۔ ہم لوگوں میں اعتقاد کا رشتہ ڈھیلا ہو گیا ہے۔ اسلئے میں تم کو تلقین کرتا ہوں کہ تم اپنی عورت کو لیکر جہاں چاہو چلے جاؤ۔ تمہارے ساتھ رہنے سے ہمارے دل میں دنوں دن بے چینی و انتشار بڑھتا جائے گا۔ میں اپنے خزانے کا دروازہ کھول دیتا ہوں جتنا چاہو اتنی دولت اور جواہرات لیجاؤ

محمد رو کر وداع ہوئے۔ ان کی عورت انکے ساتھ گئی۔ شجاع نے دل ہی دل میں کہا۔ اب لڑائی نہ کرونگا۔ چٹگانگ کی بندرگاہ سے ایک جہاز لیکر مکہ چلا جاؤنگا۔ دل میں یہ مقصد کرکے اور بھیس بدل کر شجاع ڈھاکے سے روانہ ہوئے۔

۴۴

گوبند مانکیہ جس قلعہ میں رہتے ہیں اسی قلعہ کی طرف ایکدن برسات کے موسم میں۔ دن کے تیسرے پہر ایک فقیر تین لڑکوں اور ایک نوجوان کو ساتھ لئے آرہا ہے۔ لڑکے بہت تھکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ہوا زور سے چل رہی ہے۔ اور بارش بھی لگاتار برس رہی ہے اس فقیر کیساتھ جو چھوٹا لڑکا ہے اس کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ وہ سردی سے کانپتا ہوا بیقرار ہو کر بولا:۔ بابو جی! مجھ سے تو اب چلا نہیں جاتا۔ اب وہ ایک بے بس انسان کیطرح رونے لگا۔ فقیر نے کچھ جواب نہ دیکر اسے اپنے پاس کھینچ لیا۔ بڑے لڑکے نے چھوٹے کو ڈانٹ کر کہا:۔ راستے میں اسطرح رونے سے کیا فائدہ۔ چپ رہو۔ والد صاحب کو فضول بے چین نہ کرو۔ چھوٹا لڑکا رونے کے جوش کو دبا کر چپ ہو گیا۔ منجھلے لڑکے نے فقیر سے پوچھا:۔ "ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟"

فقیر:۔ "سامنے جو یہاں قلعہ دکھائی دیتا ہے۔ وہیں جا رہے ہیں"۔

"وہاں کون ہے" ؟
"سنا ہے کہیں کا راجہ سنیاسی بن کر اس قلعہ میں اپنا وقت گذار رہا ہے"۔
"بابو جی! راجہ سنیاسی کیوں بن گیا"۔
یہ تو میں نہیں جانتا۔ شاید اس کے بھائی نے اسے کتے کی طرح جلاوطن کر دیا ہے۔ اسنے اس کا راجیہ، عیش و آرام۔ دولت سب کچھ ہڑپ کر لیا ہے۔ یہ بیچارہ مارا مارا پھرتا ہے۔ اسکے پاس اب گیرُوے کپڑوں کے علاوہ اور کیا ہوگا؟ رہنے کیلئے ایک چھوٹی سی تاریک گپھا۔ اپنے بھائی کے زہریلے دانتوں سے اس بیچارے کو اب کہیں اماں نہیں
یہ کہہ کر فقیر نے زور سے اپنے ہونٹوں کو دبا کر دل کے جوش کو روکا۔
بڑے لڑکے نے پوچھا۔" یہ سنیاسی کس ملک کا راجہ ہے"
فقیر:۔ "معلوم نہیں"
بڑا لڑکا:۔ اگر ہم لوگوں کو ٹھہرنے نہ دے تو ؟۔
فقیر:۔ تب ہم لوگ، درخت کے نیچے ہی پڑے رہیں گے۔ ہم لوگوں کے لیے اب اور جگہ کہاں ؟
سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے۔ قلعہ کے اندر سنیاسی اور فقیر باہم ملے۔ وہ ایکدوسرے کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ گوبند مانکیہ نے توجہ سے اس کی طرف دیکھا۔ فقیر مداحِل فقیر معلوم نہ ہوا۔ فقیر چونکا اور حیران دکھائی دے رہا ہے۔ اسکے دل کی بھوکی خواہشات گویا اسکی روشن آنکھوں سے آگ پی رہی ہیں۔ اس کے دل کے اندر رکا ہوا ظلم گویا اپنے آپ کو کاٹ کاٹ کر کھا رہا ہے۔ ساتھ جو تین لڑکے ہیں۔ ان کے تھکے ماندے خوبصورت نرم جسم دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدائش سے ہی بہت دیکھ بھال اور احتیاط سے ان کی پرورش ہوئی ہے۔ نیچے کی زمین سے گویا ان کا کچھ تعلق ہی نہیں۔
فقیر نے جب گوبند مانکیہ کو دیکھا تب اس کا پہلا خیال بالکل بھول گیا۔ وہ

فیصلہ نہ کرسکا کہ انہیں راجہ کہہ کر پکارے یا سنیاسی کہکر۔ اس نے تو دل میں سمجھ رکھا تھا کہ تو ند بڑھائے۔ پگڑی باندھے کسی موٹے مل کو دیکھیں گے۔ یا گندے سنیاسی کو عام جسم میں بھسم لگائے۔ زمین پر لیٹے اور اپنی فقیری پر غرور کرتے ہوئے دریدہ کپڑوں میں دیکھینگے۔ مگر ان دونوں میں سے ایک بھی بات اسے نہ ملی۔ اگرچہ سنیاسی کا کسی قسم کا شاہی ٹھاٹھ نہیں مگر پھر بھی وہ راجہ کہلانے کے لائق ہیں۔ اسی طرح دنیا کے تمام کاموں کو کرتے ہوئے وہ بھی سنیاسی بنے ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے فقیر نہ تو انہیں راجہ کہہ سکتا ہے اور نہ ہی سنیاسی!۔

راجہ نے ان مہمانوں کو بڑی عزت سے ٹھہرایا۔ طریقہ کے مطابق انکی خدمت کی مگر ان لوگوں نے راجہ کی مہمانی کو بڑی نفرت سے قبول

مہمانوں نے راجہ پر ظاہر کر دیا۔ کہ ہمیں آرام کیلئے فلاں فلاں چیزوں کی ضرورت ہے۔ راجہ نے بڑے لڑکے سے محبت سے پوچھا: "سفر سے کیا تمہیں تھکاوٹ زیادہ ہوگئی ہے۔ لڑکا اس کا کچھ مناسب جواب نہ دیکر فقیر کے پاس دبک کر بیٹھ گیا۔ راجہ نے ان لوگوں کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور مسکرا کر کہا: "تم لوگوں کا یہ نرم جسم پیدل سفر کے لائق نہیں۔ تم لوگ کچھ دن تک اس قلعہ میں رہو۔ تم کو میں بڑی حفاظت سے رکھوں گا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دوں گا۔

راجہ کی اس بات کا جواب دینا مناسب ہے یا نہیں؟ اگر مناسب ہے تو کیا جواب دینا چاہیئے؟ یہ لڑکوں کو کیا معلوم۔ وہ لوگ جانتے ہی نہیں کہ دوسرے کیساتھ کسطرح کا سلوک کرنا چاہیئے۔ فقیر کے منہ کی طرف وہ تینوں دیکھنے لگے اور اس کے پاس اور بھی کھسک کر بیٹھ گئے۔ ان لڑکوں نے سمجھا کہ شاید یہ آدمی اپنے میلے ہاتھ کو بڑھا کر ہمیں اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے۔ فقیر نے متانت سے کہا: "اچھا! ہم لوگ تمہارے اس قلعہ میں کچھ دن رہ سکتے ہیں۔ گویا اس نے راجہ پر بڑا بھاری احسان

کیا۔ فقیر نے دل ہی دل میں کہا کہ اگر تم مجھے وہ شجاع، سمجھتے تو میرے اس احسان سے تمہیں بے حد خوشی ہوتی۔ وہ تینوں لڑکے راجہ سے کسی طرح بھی ہل مل نہ سکے اور فقیر تو یکدم لاپرواہ ہی ہو رہا۔

فقیر نے گوبند مانکیہ سے پوچھا :۔ سنا ہے تم کسی وقت راجہ تھے۔ کہاں کے راجہ تھے ؟

گوبند مانکیہ :۔ "تریپورا کے۔"

یہ سن کر لڑکوں نے انہیں محض چھوٹا آدمی سمجھا اگرچہ انہوں نے کبھی تریپورا کا نام بھی نہ سنا تھا۔

فقیر نے کچھ حیرت سے پھر پوچھا :۔ "تم سلطنت سے علیحدہ کیوں ہوئے؟"

گوبند مانکیہ ذرا چپ ہو رہے۔ آخر میں انہوں نے کہا :۔ "بنگال کے نواب شاہ شجاع نے مجھے اپنی سلطنت سے جلا وطن کر دیا ہے۔ انہوں نے نکشتر رائے کا کوئی ذکر نہ کیا۔ یہ سن کر تمام لڑکے چونک کر فقیر کے چہرے کیطرف دیکھنے لگے۔ فقیر کا چہرہ اداس ہو گیا۔ گویا اسے کسی پرانی بات کی یاد آ گئی ہو۔ آخر اس نے یکدم کہدیا :۔ معلوم ہوتا ہے تمہارا بھائی ہی تمہاری جلاوطنی کا موجب ہے۔ اسی نے تمہارا راجیہ ہڑپ کر تمہیں سنیاسی بنا دیا۔

راجہ نے حیرانی سے کہا :۔ "صاحب! آپ نے ان باتوں کو کیسے جانا۔"

"پھر انہوں نے سوچا کہ اس میں حیرانی کی کونسی بات ہے۔ انہوں نے کسی سے سنا ہو گا۔"

فقیر نے فوراً کہا :۔ "مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں نے صرف قیاس اور اندازہ سے کہا ہے۔"

جب رات ہوئی تو فقیر لڑکوں کو ساتھ لیکر سونے گیا۔ اس کو رات بھر نیند نہ آئی وہ جاگتے ہی جاگتے برے خواب دیکھنے اور چونکنے لگا۔

دوسرے دن صبح فقیر نے کہا: "ایک بہت ضروری کام ہے۔ اسلئے ہم لوگ اب یہاں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکتے۔ ہم لوگ یہاں سے آج ہی روانہ ہونگے"۔

گوبند مانکیہ: "لڑکے بہت تھکے ہوئے ہیں۔ انہیں کچھ دن آرام کر لینے دیجیے تب پھر جب آپکا جی چاہے چل دیجیے گا"۔

اسپر لڑکوں کو کچھ غصہ آگیا۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا۔ اس نے فقیر کی طرف دیکھ کر کہا: "ہم لوگ بالکل بچے نہیں ہیں۔ ضرورت پڑنے پر ہم لوگ خوشی سے تکلیف برداشت کر سکتے ہیں۔ گوبند مانکیہ کی محبت بھری باتیں نہ معلوم ان لڑکوں کو کیوں اچھی نہیں لگتیں۔ وہ گوبند مانکیہ سے عزت پا کر رہنا نہیں چاہتے۔

رہنے کیلئے فقیر پر زیادہ زور دینا گوبند مانکیہ نے مناسب نہ سمجھا۔ اسلئے وہ چپ ہو گئے۔

فقیر جس وقت جانیکی تیاری کر رہا تھا اسی وقت قلعہ میں ایک اور مہمان آیا۔ اسے دیکھ کر راجہ اور فقیر دونو حیران ہوئے۔ فقیر کا چہرہ اتر گیا۔ اسے کچھ سوجھائی نہ دیا کہ اب کیا کروں۔ وہ حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ راجہ نے اپنے مہمان کو پرنام کیا۔ مہمان اور کوئی نہیں۔ وہی رگھوپتی ہے۔ رگھوپتی نے راجہ کو دعا دی۔ ... جے ہو" راجہ نے بیقراری کے لہجہ میں پوچھا: "آپ نکشتر رائے کے پاس سے آرہے ہیں۔ کیا کوئی نئی بات ہے؟"

رگھوپتی نے کہا: "نکشتر رائے خیریت سے ہیں۔ انکیلئے آپ بالکل فکر نہ کریں (آسمان کیطرف ہاتھ اٹھا کر) جے سنگھ نے مجھے آپکے پاس بھیجا ہے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ جبتک میں ان کے دل کی بات پوری نہ کر دونگا تب تک مجھے آرام کہاں؟ میں اب برابر آپکے ساتھ رہونگا اور آپکے ہر ایک کام میں جتنے طرح مدد دونگا۔

کچھ دیر تک رگھوپتی کا مطلب راجہ کی سمجھ میں نہ آیا۔ انہوں نے ایکدفعہ

دل میں سوچا کہ رگھوپتی پاگل تو نہیں ہو گیا۔ راجہ نے اس کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔
رگھوپتی :۔ میں سب کچھ دیکھ چکا۔ آرام کہیں نہیں۔ ظلم میں سکھ نہیں۔ محبت ونفرت میں آرام نہیں اور حکومت مل جانے پر بھی آرام نصیب نہیں ہوتا۔ میں نے آپ سے بہت دشمنی کی۔ آپ کے جی کو ستایا۔ ہائے! میں آپ کو اپنے سامنے قربان کرنا چاہتا تھا۔ آج میں آپکے پاس اپنے آپ کو مکمل طور پر قربان کرنے آیا ہوں۔
گوبند مانکیہ :۔ آپ نے میرا بہت ہی بھلا کیا۔ میرے دشمن سایہ کیطرح میرے ساتھ لگے پھرتے تھے۔ آپ نے مجھے انکے پنجے سے بچا لیا۔
رگھوپتی نے اس بات پر خاص دھیان نہ دیکر کہا :۔ مہاراج میں اتنے دنوں سے جانداروں کی قربانی کر کے جس بے رحم (ہنسا) کی خدمت کرتا رہا ہوں۔ وہ اب میرے ہی دل کا خون چوسنے لگی ہے۔ لہو کی پیاسی اس بیوقوفی کو چھوڑ کر میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ وہ اب مہاراج کی سلطنت میں۔ دیوتاؤں کے مندروں میں نہیں ہے۔ اب وہ راج دربار میں داخل ہو کر تخت پر چڑھ بیٹھی ہے۔
راجہ :۔ دیوتاؤں کے مندروں سے جب وہ دور ہو گئی ہے۔ تب آہستہ آہستہ انسانوں کے دل سے بھی ہٹ جائے گی۔
پیچھے سے شناسا آواز میں یہ سن پڑا :۔ نہیں مہاراج۔ انسانوں کے دل ہی اصلی مندر ہیں۔ اسی جگہ تلوار پر سان چڑھائی جاتی ہے اور اسی جگہ سینکڑوں ہزاروں انسانوں کی قربانی (ہنسا) ہوتی ہے۔ دیوتا کے مندر میں تو اس کا ایک معمولی کھیل ہوتا ہے۔
راجہ نے تعجب کیساتھ پیچھے کی طرف گھوم کر دیکھا کہ ہنستے ہوئے پرسرت بلون ہٹا کر کھڑے ہیں۔
فقیر کچھ آگے بڑھ کر بولا :۔ مہاراج۔ میں بھی تمہارا ایک بڑا دشمن ہوں۔ میں

بھی آج اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ اس نے رگھوپتی کیطرف انگلی اٹھا کر کہا:۔ یہ برہمن مجھے پہچانتا ہے۔ میں ہی شجاع ہوں۔ بنگال کا نواب میں بھی ہوں۔ میں نے ہی تم کو بغیر قصور جلا وطن کیا اور اس گناہ کی مناسب سزا پائی۔ میرے بھائی کی (ہنسا ظلم) میرے خون کی پیاسی ہو کر آج گلی گلی میرے پیچھے لگی پھرتی ہے۔ اپنے راجیہ میں مجھے پاؤں رکھنے کو بھی کوئی جگہ نہیں۔ میں اب بھیس بدل کر نہیں رہ سکتا۔ میں تمہارے پاس اپنے آپ کو پیش کر کے تم سے پناہ مانگتا ہوں۔

راجہ نے نواب کو اپنے گلے سے لگایا اور کہا:۔ "آج میری خوش قسمتی کا کیا ٹھکانا"؟

رگھوپتی:۔ مہاراج! آپ کے ساتھ دشمنی کرنے میں بھی فائدہ ہے۔ میں آپ کے ساتھ دشمنی کر کے آج آپ کے پاس آ پڑا ہوں۔ نہیں تو کسی وقت آپکو کیسے مل سکتا

بلون نے ہنسکر کہا:۔ ٹھیک ہے۔ پھندے میں پھنس کر اگر کوئی پھندے سے نکل بھاگنے کی کوشش کرے تو اس کا گلا اور بھی پھنس جاتا ہے۔

رگھوپتی:۔ میرا دل صاف ہو گیا۔ مجھے اب کوئی فکر نہیں۔ مجھے تسکین قلب حاصل ہے۔

بلون ٹھاکر:۔ شانتی اور سکھ تو اپنے دل کے ہی اندر ہے۔ لوگ اسے ڈھونڈتے نہیں۔ پرماتمانے گویا مٹی کے برتن میں یہ آب حیات بھر رکھا ہے۔ لیکن کسی کو اعتبار نہیں کہ یہ آب حیات ہے۔ دھکا لگ کر جب برتن ٹوٹتا ہے تب بہت دن بعد کہیں آب حیات کا مزا ملتا ہے۔ بھلا ایسی انوکھی چیز کہیں ایسے برتن میں رکھی جاتی ہے۔

چھوٹے چھوٹے لڑکے قلعہ کے اندر آ پہنچے۔ راجہ نے بلون ٹھاکر سے کہا:۔ سوامی جی دیکھئے؟ یہ تمام میرے دھرو ہیں۔ انہوں نے

لڑکوں کی طرف انگلی اٹھائی۔

بلون نے کہا:۔جس ایک دھرو کی بدولت تمہیں اتنے دھرو ملے ہیں۔وہ تمہیں بھولا نہیں۔میں ابھی اسے لا دیتا ہوں۔

وہ باہر گئے اور کچھ دیر بعد دھرو کو گود میں لیئے ہوئے لوٹ آئے۔انہوں نے راجہ کی گود میں دھرو کو رکھدیا۔راجہ نے اسکو چھاتی سے لگا کر کہا:۔"دھرو!"

دھرو کچھ نہ بولا۔وہ چپ چاپ راجہ کے کندھے پر سر رکھ کر رہ گیا۔بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئیکی وجہ سے شاید اس بچہ کے چھوٹے سے دل میں کچھ ہچکچاہٹ اور شرم سی پیدا ہوئی۔اس نے راجہ کے گلے سے لپٹ کر اپنا منہ چھپا لیا۔

راجہ نے کہا:۔اور تو سب کچھ ہوا۔صرف نکشتر رائے نے مجھے ایک دفعہ بھائی نہیں کہا۔

شجاع نے بڑی تیزی سے کہا:۔مہاراج۔اور لوگ بھائی کیطرح چاہے سلوک کریں مگر حقیقی بھائی بھائی کا سا سلوک نہیں کرتا۔شجاع کے دل میں اب تک بھائی کا سلوک برچھی کی طرح چبھ رہا ہے۔

اختتامیہ کلمات

اسجگہ اتنا جان لینا مناسب ہے کہ وہ تینوں لڑکے جو مردوں کے بھیس میں تھے شجاع کی تینوں لڑکیاں تھیں۔مکہ جانے کے خیال سے شجاع چٹاگانگ کی بندرگاہ پر گئے تھے۔مگر ان کی بدقسمتی سے زیادہ بارش ہونے کے باعث ایک بھی جہاز انہیں نہ ملا۔آخر مایوس ہوکر وہاں سے واپس ہوتے وقت راستہ میں گوبند مانکیہ کیساتھ قلعہ کے اندر ان کی ملاقات ہوئی۔شجاع کچھ دن اسی قلعہ میں رہے۔آخر انہیں پھر خبر ملی کہ بادشاہ کی فوج میری تلاش میں گھوم رہی ہے تب

گوبند مانکیہ نے سواری وغیرہ کا انتظام کرکے کافی نوکروں کیساتھ انہیں باعزت طریق پر اپنے دوست ارکان کے راجہ کے پاس بھیجدیا۔ شجاعؔ نے چلتے وقت گوبند مانکیہ کو اپنی ایک بیش قیمت تلوار تحفہ کی شکل میں دی۔

اسی درمیان میں رگھوپتی اور بلون کیساتھ مل کر راجہ سارے گاؤں کے لوگوں کو اچھے راستے پر لے آئے۔ راجہ کا وہ قلعہ گو ساری آبادی کی زندگی بن گیا۔ اس طرح چھ سال گذر گئے اور چھتیسر مانکیہ کی موت واقع ہوگئی۔ گوبند مانکیہ کو پھر تخت پر بٹھانے کے لئے تریپورا سے ایلچی آئے۔ راجہ نے کہا:۔ میں اب اپنے ملک میں لوٹ کر نہ جاؤں گا۔

بلون نے سمجھا کر کہا:۔ مہاراج ایسا نہ کیجئے۔ جب خود دھرم (فرض) دروازہ پر آکر پکار رہا ہے تو اس کی بعزتی کرنا مناسب نہیں۔

راجہ نے اپنے طالبعلموں کی طرف دیکھ کر کہا:۔ میری اتنے دنوں کی امید اور اتنے دنوں کا کام ادھورا ہی رہ جائے گا۔

بلون:۔ آپ کا کام میں پورا کروں گا۔

راجہ نے کہا:۔ آپ اگر یہاں رہیں گے تو میرا وہاں کا کام آپ کے بغیر مکمل نہ ہوگا۔

بلون:۔ اب آپ کو میری کوئی ضرورت نہیں۔ اب اپنے کام کو آپ بخوبی سنبھال سکتے ہیں۔ میں کبھی کبھی آپ سے ملتا رہوں گا۔

دھرو کو لیکر راجہ اپنے راجیہ میں گئے۔ دھرو اب بچہ نہیں رہا۔ اس نے بلون کی مہربانی سے سنسکرت زبان سیکھ کر شاستروں (کتب مقدسہ) کو پڑھنے میں دل لگایا ہے۔ رگھوپتی نے پھر اپنی پروہتی قبول کرلی۔ اس دفعہ مندر میں آکر گویا اس نے مردہ جے سنگھ کو زندہ حالت میں پایا۔ ادہر

اراکان کے راجہ نے شجاع کیسا تھ وشواس گھات کیا۔ اس نے شجاع کو مار کر اس کی چھوٹی لڑکی سے شادی کر لی۔ بدقسمت شجاع پر اراکان کے راجہ کے مظالم کا حال سُن کر گوبند مانکیہ بہت دکھی ہوئے۔ شجاع کے نام کو زندہ جاوید بنانے کے لئے انہوں نے اس تحفہ کے طور پر دی ہوئی تلوار کے بدلے بہت روپیہ خرچ کرکے کوملا شہر میں بڑی خوبصورت مسجد بنا دی۔ اسجگہ شجاع مسجد کے نام سے وہ ابتک موجود ہے۔

گوبند مانکیہ کی کوشش سے کتنے ہی نئے گاؤں اور شہر آباد ہو گئے۔ انہوں نے اچھے عالم برہمنوں کو بہت سی زمین۔ سندیں لکھکر دان کر دی۔ مہاراج گوبند مانکیہ نے کوملا کے جنوب میں وانساگاؤں میں ایک بہت بڑا تالاب کھدوایا۔ انہوں نے اور بھی کتنے ہی اچھے اچھے کاموں کو ہاتھ لگایا مگر مکمل نہ کر سکے وہ ۱۶۶۹ء میں اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو روانہ ہوئے۔

ختم شد